

دنیا بھر کے محنت کشوایک ہو جاؤ!

# عالیٰ معیشت کا تناظر

ء 2015

دستاویز نمبر 3

ویں کانگریس 2015ء 34



# عالیٰ معیشت کا تناظر

## متواتر جود کا عہد (Secular Stagnation)

لہمن برادرز کے دیوالیہ ہونے کے چھ سال بعد بھی بے رحم کٹوپیں اور یورپ میں بحران کا تسلسل عالیٰ سرمایہ داری کو لاحق شد زوال کی واضح عکاسی ہے۔ 2008ء میں شروع ہونے والے بحران کو بعض احباب نے 1930ء کے بعد آئیوا لاشدیدترین بحران اور شدت و دسعت کے حوالے سے سرمایہ داری کی تاریخ کا مکنہ طور پر بدترین زوال قرار دیا۔ اس بحران کے آغاز میں عالمی تجارت کی بر巴ادی 1929ء کی عظیم کساد بازاری کے پہلے سال کی گراوٹ کی نسبت بہت بڑی تھی۔ بورڈ و احقان ایک شدید خوف کا شکار تھے۔ فائل نائمنز جریدے کے چیف اکاؤنٹسٹ مارشن ولف نے 16 جون 2009ء کو لکھا، ”عالیٰ صنعتی پیداوار میں گراوٹ 1929ء کی عظیم کساد بازاری کے دوران ہونیوالی گراوٹ کے خوفناک حد تک قریب تھی، یورپ میں فرانس اور اٹلی کی صنعتی پیداوار میں کی 1930ء میں ہونیوالی کی سے زیادہ بدترین تھی، امریکہ اور کینیڈا میں بھی زوال کی شدت 1930ء کے بعد سب سے قریب تھی جبکہ جاپان میں حالیہ بحالی کے باوجود صنعتی بحران 1930ء سے زیادہ بھیا نک تھا۔“

کچھ صاحبان نے اس بحران کو ایک مہلک حرکت قلب کے قسم جانے والی کیفیت سے ماثل قرار دیا۔ لیکن بستر مرگ پر پڑا یہ میریض ریاستی بیل آؤٹ ہنگر کی مدد سے انہائی ٹکھداشت والی کیفیت میں منتقل کیا گیا۔ انہیں یقین تھا کہ سب کچھ ویسا ہی ہے اور مااضی کے گردشی بحرانوں کی طرح سرمایہ داری اس بحران سے بھی نکل جائے گی۔ اس گراوٹ کے بعد بحالی ناگزیر دکھائی دے رہی تھی۔ تاہم سب کچھ ہمیشہ ایک جیسا نہیں ہوتا اور نہیں بحران کی نوعیت ہمیشہ ایک جیسی ہوتی ہے۔ اس بحران کو مااضی کے بحرانوں کا تسلسل اور ان جیسے کردار کا حامل سمجھنا ایک بھیا نک غلطی تھی۔ کسی زندہ جسم کا تجزیہ محسن اس کی ظاہری کیفیت کی پرکھ سے ہمیشہ غلط ہوتا ہے، ہمیں اس کی

حقیقی نظرت، اس کے ارتقا اور سب سے بڑھ کر اس کے گہرائی میں موجود داخلی تضادات کی وضاحت کرنی ہوتی ہے اور اس کا ادراک حاصل کرنا ہوتا ہے کہ یہ تضادات عمل میں کس طرح خود کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں بورڈوا دانش پر حاوی میکانیکی طرز فکر کی بجائے جدیاتی نقطہ نظر اپنانے کی ضرورت ہے۔

## 2008ء سے پہلے کی صورتحال

یہاں تک کہ 2008ء سے پہلے بھی سرمایہ دارانہ عروج کو مصنوعی بنیادوں پر قرار رکھا گیا تھا جس سے یہ دکھائی دیتا تھا کہ کس طرح بنیادی تضادات اس وقت بھی اپنا اظہار کر رہے تھے۔ سرمایہ داری ماضی کی طرح خود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ پیداواری صلاحیت میں سرمایہ کاری کی جگہ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری سے بازی اور جوئے میں کی جا رہی تھی۔ بل کتنش کے دور حکومت کے سیکرٹری خزانہ لارپس سمرز نے اس صورتحال کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا ”گزشتہ دہائی کے وسط میں ناپائیدار ببلوں، قرضوں کی حدود میں وسعت اور آسان شراط پر میسی کی فرائیں جیسے اقدامات کے ذریعے بھی صرف معمولی معاشی ترقی کا حصول ممکن ہو پایا تھا۔“

جران کن طور پر غیر معمولی اقدامات کے ذریعے معمولی نتائج حاصل کیے گئے، سرمایہ دارانہ نظام ماضی کی طرح کام نہیں کر پا رہا تھا۔ تب بھی اس تمام صورتحال کو قائم رکھنا ناممکن ثابت ہو رہا تھا اور اس کو قائم رکھنے کی کوشش کے ذریعے صرف ایک تباہ کن جران کی راہ ہموار کرنے میں کامیابی حاصل کی گئی تھی۔ 2008ء کا تباہ کن جران یقیناً معمول کا کوئی زوال نہیں تھا اس کی شدت اور گہرائی کے باعث سمجھیدہ بورڈوا معیشت دان بھی اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور تھے کہ فوری بحالی ممکن نہیں۔ قرضوں کا پھیلاو جو جران سے پہلے کے عروج کو طوالت دینے کا باعث تھا اب قرضوں کے پھیڑ میں بدل چکا ہے۔ درحقیقت یہ جران 1929ء کی کساد بازاری کی مانند ایک نیا موز تھا جس نے جدید سرمایہ داری کو ایک مکمل طور پر نئے عہد میں دھکیل دیا جو 1930ء کی عظیم کساد بازاری سے مثال ہے۔ اس لیے یہ معمول کا کوئی زوال نہیں ہے جس میں تھوڑی بہت دانش مندانہ روبدل کے بعد سب کچھ پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے گا۔ اس جران کا اقتصادیات کی نصابی کتب یا کمپیوٹر ماؤنٹ سے کوئی تعلق نہیں۔

تمام وفادر بورڈ واجزیہ گار 2009ء کے موسم گرم کے بعد سے اب تک بھائی کی ہریتی کے مسلسل منتظر اور متلاشی ہیں لیکن انہیں تاحال ہر بار شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ایک کے بعد دوسری بھائی کے دور کے آغاز کے غلط دعوے کیے گئے۔ یہ سعد ہائے ہوئے نام نہاد پڑھے لکھے خاتم و حضرات کسی بھی چیز کو درست طور پر سمجھنے میں ناکام رہے ہیں حتیٰ کہ موجودہ بحران کی حقیقی فطرت کو۔ انہوں نے بحران کی ہر قسم کی تفصیلات کو بیان کیا سوائے اس حقیقت کے کہ یہ بحران ایک مرتبے ہوئے سماجی نظام کی علامات ہیں۔ دوسری جانب مارکسٹ مکمل طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ پرانا معمول مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے اور سرمایہ داری ایک طویل حالت نزع کے دور میں داخل ہو چکی ہے جس میں بحران بھی کھا رآنے کی بجائے ایک مستقل معمول بن چکا ہے۔

### ”آخری“ بحران نہیں ہے

ستانسٹوں کے مبنیہ تیرے دور کے برعکس جس میں انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ 1929ء کا بحران سرمایہ داری کا آخری اور حتیٰ بحران ہے، مارکسٹ یہوضاحت کرتے ہیں کہ سرمایہ داری کے آخری اور حتیٰ بحران جیسی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ ٹرانسکلی نےوضاحت کی تھی کہ ””سرمایہ داری کے بحرانات کی کوئی معین حد و نہیں ہیں اور نہ ہی پہلے سے یہ بتایا جاسکتا ہے کہ کونسا بحران سرمایہ داری کا آخری بحران ہے۔“ (ٹرانسکلی کی فرانس پر تحریریں، صفحہ ۷۱)

سرمایہ داری نظام گھرے سے گھرے کاشکار ہو کر بدترین ذلت اور مصائب کا باعث بننے کے باوجود لکھڑا تباہ و اس وقت تک جاری رہ سکتا ہے جب تک منت کش طبقہ اس کو اکھاڑنہیں پہنچاتا۔ سرمایہ داری نظام کا مزید قائم رہنا نسل انسانی کو خلفشا اور بربریت کی جانب دھکیل دے گا جس سے نئے بحران اور زیادہ بڑی تباہ کاریاں جنم لیں گے۔ بلاشبہ موجودہ عہد جیسے گھرے بحرانات کے دور میں بھی بحالیاں ہوتی ہیں، چاہے کتنی ہی صحیف اور جزوی کردار کی حامل کیوں نہ ہوں، یہ بات سرمایہ داری کے زوال کی قریب المرگ کیفیت، جس کے باعث ذلت اور مصائب میں بتر تر تک اضافہ ہو رہا ہے، کے عمومی تجزیے سے متصادم نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایک مرتبے ہوئے جسم میں بھی کئی بار عارضی اور وقتی محنت یا بھی کی علامات ظاہر ہو سکتی ہیں۔

1930ء کی دہائی میں ”روز ویلٹ بھائی“ کے دور میں بھی ایسا ہی ہوا تھا لیکن اس بھائی نے

عہد کے بنیادی کردار کو تبدیل نہیں کیا تھا جو ایک زوال، گراوٹ اور بڑے پیانے کی بیر و زگاری کا دور تھا۔ تمام ترقیات اور خوش فہمیوں کے برگز 1934-37ء کے عرصے کے دوران امریکہ میں ہونیوالی بحالی کسی بھی طور پر پائیدار ثابت نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے پہلے سے زیادہ گہرے بحران اور انہدام کی راہ ہموار کی تھی۔ ٹرانسکی نے اس وقت اس کیوضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا، ”امیدیں بندھ رہی تھیں کہ معاشری بروزگاری کا یہ عمل دوبارہ استوار ہو جائیگا جس کو بحران نے روک دیا تھا۔ لیکن توقعات سے زیادہ تیزی کے ساتھ ایک نیا بحران آیا۔ اس کا آغاز 1929ء کی نسبت کم تسلیم سے ہوا اور پھر یہ برق رفتاری سے پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہ اس حقیقت کی عکاسی تھی کہ یہ کوئی حادثاتی گراوٹ یا جزوی زوال نہیں بلکہ پورے سرمایہ داری نظام کا ایک نامیانی بحران ہے۔“ (ٹرانسکی، 29 ستمبر 1937ء)

ہم نے موجودہ عہد کے بحران کی نظرت کی وضاحت کے لئے ٹرانسکی کے سرمایہ داری کے نامیانی بحران کے اس حوالے کو بارہا استعمال کیا ہے۔ اس کو مارکس کے سرمائے کی نامیانی ترکیب کے حوالے کے ساتھ گذشتہ نہیں کرنا چاہیے جس میں مارکس نے زندہ محنت اور مردہ محنت کے باہمی تعلق کی وضاحت کی تھی (متغیر سرمائے اور جامد سرمائے کا باہمی تابع)۔ سرمایہ داری کے نامیانی بحران سے مراد اس نظام کے زوال کی انہتاوں پر ایک ایسا گہرا تاریخی انحطاط ہے جس کے ذریعے اس نظام کے فطری تضادات منطقی طور پر اپنا اظہار کر رہے ہیں۔

### بحران کی گردشی وضاحت

ہم نے اس کلتے کو واضح انداز میں اس لئے پیش کیا ہے چونکہ کچھ نامہ مارکسٹ بھی ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہیں جو کسی بھی عمل کی وضاحت معاشری اور معاافوں کے اتار چڑھاؤ کے پکڑ کے ذریعے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ موجودہ بحران کی شدت کا باعث سرمایہ داری کی تاریخی متروکیت کی بجائے گزشتہ عروج میں موجود کمزوریوں اور عدم توازن کو قرار دیتے ہیں اگرچہ گزشتہ دور کے عروج کے دوران پاگل پن کی حد تک پہنچی ہوئی قیاس آرائیوں پر مبنی ہے بازی کا عنصر موجود تھا لیکن اس عنصر سے بحران کی نظرت کی وضاحت نہیں ہوتی۔ اس قسم کی وضاحت سطحی اور عامیانہ ہے جو سرمایہ داری نظام کے بحران کی گہری تاریخی نظرت کو مکمل طور پر نظر انداز کر

کے کی جاتی ہے۔ اس نقطہ نظر کا تعلق اصلاح پسندی کے نظریات سے ہے جو سرمایہ داری کی ان کمزوریوں اور خامیوں کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو دور کرنے کی جگہ دو میں مصروف رہتے ہیں۔ اصلاح پسند سرمایہ داری کے تاریخی بحران کے بر عکس عروج و زوال کے چکروالی وضاحت کو زیادہ پسند کرتے ہیں ان کیلئے بحران کے چکر کا مطلب یہ ہے کہ عروج کا دور دوبارہ لوت آئے گا اور ہر چڑھیک ٹھاک طریقے سے کام کرنا شروع کر دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اصلاح پسندوں کے ساتھ وہ لوگ بھی جو انقلابی سیاست سے دستبردار ہو چکے ہیں انہیں کافی رائیف کی گردشی وضاحت (Kondratiev waves) زیادہ پسند آتی ہے۔ یہ نظریہ ہنری ایل مور کے معنکہ خیز نظریات سے تھوڑا سا سادی مختلف ہے جس میں یہ کہا گیا کہ آٹھ سال کے عرصے پر مشتمل چکر زہرہ سیارے کے مدار کے ساتھ جڑا ہوا ہے، جو سورج اور زمین کے نئے آتا ہے، وہی معاشی بحرانوں کو پیدا کرنے کا باعث بتاتے ہے۔ ایک اور معیشت دان شیلیٹ جیونز نے سورج کی سطح پر موجود چبوٹوں پر معاشی بحرانوں کو پیدا کرنے کا الزام تھونپ دیا۔

عروج و زوال کے چکروں پر مشتمل توازن پر انحصار کرنے والے تمام نظریات اس پر یقین رکھتے ہیں کہ معاملات جس حد تک بھی بگاڑ کا شکار ہو جائیں سرمایہ داری کے اندر توازن کو دوبارہ حاصل کرنے کا ایک نظری رجحان موجود ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی اتار چڑھاؤ کے بار بار دہرائے جانے والے مرحل کا معاملہ ہے۔ ”اگر آج مسائل ہیں تو کیا ہوا؟ ایک دن سب کچھ دوبارہ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو پھر یہ سو شلسٹ انقلاب جیسی بکواس کی سر درد کیوں لی جائے؟“

1930ء کی عظیم کساد بازاری عالمی سرمایہ داری کے مکمل جمود اور انہدام کا نتیجہ تھا جو امامی کی طرح پیدا اوری قوتی دینے کا اہل نہیں رہا تھا۔ موجودہ بحران کا کردار بھی ویا ہی ہے ایک مکمل نامیاتی بحران۔ 1930ء کی دہائی میں سرمایہ دارانہ بحران سے نکلنے کا راستہ تھا عالمی جنگ اور بڑے پیانے پر پیدا اوری قوتی کی بربادی، لیکن آج طبقاتی طاقتیوں کے موجودہ توازن اور ایٹھی ہتھیاروں کی موجودگی کی وجہ سے ایک عالمی جنگ جیسا راستہ ممکن نہیں رہا۔ عالمی جنگ کا راستہ نہ اپنا سکنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام تضادات اندر وہی حل کے مقاضی رہیں گے جس کے

باعث ہمیں دھائیاں نہ سمجھی مگر سالوں پر محیط بے رحمانہ کٹوں اور بحرانات کا سامنا کرنا پڑے گا، کم از کم جوت کش طبقے کے اقتدار پر قبضہ کرنے تک۔ ”کافر رہیت کے موسم گرا“ کا آنما ممکن نہیں۔

## تاریخ کی کمزورترین بحالی

موجودہ نحیف بحالی خاص کرامہ کیہے میں ہونیوالی بحالی کے حوالے سے ذرائع ابلاغ کے ذریعے چلانی جانیوالی خوشگواریم کے باوجود عالمی معیشت سرمائے کے پالیسی سازوں کی امیدوں کے عکس شدید بحران کا شکار ہے۔ یہاں تک کہ بورڈوا ماہرین بھی اس حقیقت کو تلیم کرتے ہیں۔

فائل نائمنز جریدے کا 19 اپریل 2014ء کا اداریہ ان مالیوں کن الفاظ سے شروع ہوتا ہے، ”گزشتہ پانچ سالوں سے عالمی معیشت بحران کا شکار ہے۔“ اور ”بحالی“ چیزیں بھی ہوتاریخ کی کمزورترین بحالی ہے، ہاں تاریخ کی! اور جوانہتاںی و اشگاف انداز میں بحران کی حقیقی فطرت کی وضاحت کرتی ہے۔

آج جاپانی معیشت ترقی کی جانب ایک ہلکے سے چکلے کے بعدست روی کا شکار ہو کر کچوئے کی رفتار کو پہنچ گئی ہے اور گزشتہ میں سالہ عرصہ کی طرح گراوٹ اور زوال کے شدید خطرات سے دوچار ہے۔

یورپ کی معاشری ناقلوں اور صحف نہ صرف برقرار ہے بلکہ جمود یا گراوٹ کی جانب رواں ہے اور اس کے معاشری انہن جرمنی میں بھی گراوٹ کے خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو چکی ہیں جبکہ یورپ میں بیرون گاری کی شرح تاریخ کی بالاترین سطح کو چھوڑتی ہے۔ بہتری کی گنجائش نہ ہونے کے برابر ہے۔ یورپی کمیشن کے صدر کے ایک سابق مشیر فلپ لیکرین نے 18 اپریل 2014ء کے فائل نائمنز میں یہ وضاحت کی، ”ہم ایک شدید بحران کی کیفیت سے داغی بحران کی کیفیت میں داخل ہو چکے ہیں، یورپ کا بحران اٹلی اور فرانس کو لاحق خطرات میں اضافے کے ساتھ اس کے پیروں اور کم اہم حصوں سے اس کے مرکز کی جانب بڑھ رہا ہے۔“

یہاں تک کہ امریکہ میں بھی صورتحال اطمینان بخش نہیں۔ 2014ء میں 2.5 فیصدی شرح ترقی ریکارڈ کی گئی ہے لیکن ااضمی میں ہونیوالی بحالیوں کے مقابلے میں یہ جوانہتاںی کمزور بحالی ہے۔

اگرچہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پیر و زگاری کم ہوئی اور اس کی وجہ سے طویل المدت ساختی (Structural) پیر و زگاری کی تحقیقی صورت حال کو منسخ کر کے پیش کرنے میں مدد ملی ہے لیکن جن کے پاس روزگار ابھی تک باقی ہے ان کا تناسب بہت کم ہے جبکہ کروڑوں کام کرنے کے اہل مردو خواتین روزگار کی تلاش چھوڑنے کے باعث پیر و زگاروں کی نہرست سے نکالے جا پچکے ہیں۔ وہ کروڑ لوگ پیر و زگار ہیں یا شم روزگار کے ساتھ وابستہ ہیں جبکہ مزید تین کروڑ ستر لاکھ سے پانچ کروڑ تک خط غربت کے آس پاس کے حالات میں رہنے پر مجبور ہیں۔ 2010ء کے بعد سے امریکہ کی شرح ترقی 1.8 فیصد سے 2.4 فیصد کے درمیان بچکو لے کھاری ہے۔

1930ء کی دہائی میں شرح ترقی نو فیصد کے قریب تھی۔ برلن سے پہلے جاری رجحان کی بنیاد پر کی جانبی پیشیں گوئیوں کے مقابلے امریکی جی ڈی پی میں دس فیصد کی واقع ہوئی ہے جبکہ برطانیہ میں یہ کمی بیس فیصد کے قریب ہے۔

مغربی میഷتوں میں جوود کے باعث سرمایہ دار انتہائی بے بسی کے عالم میں برس (BRICS) ممالک کی میഷتوں کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ وہ انہیں اس دلدل سے باہر نکالیں گے۔ لیکن یہ میഷتیں بھی اب سست روی کا شکار ہیں۔ 2008ء کے بعد برازیل، چین، سینگاپور، تھائی لینڈ اور ترکی میں مقر وطن خاندانوں کے قرضوں میں چالیس فیصد اضافہ ہوا ہے۔ فناشل ٹائمز میں گزشتہ سال کے اختتام پر شائع ہونیوالی آئی ایم ایف کی رپورٹ کے مطابق ”برازیل، ہندوستان اور چین کی پیداوار میں گراوٹ کا تخمینہ اسی حدیا درجے کے قریب تر ہے جس درجے کی کمی کا ترقی یافتہ میषتوں کو برلن کے بعد کے عرصے میں سامنا کرنا پڑا تھا۔“

فناشل ٹائمز 19 اپریل 2014ء کو وضاحت کرتا ہے کہ ”پریشانی کی وجہ یہ ہے کہ آنے والے سالوں میں دنیا کی شرح نوماضی کی اوسط شرخ نموسے کم ہو گی، ابھری ہوئی منڈیوں کی ترقی کا تیس سالہ دور اختتام پذیر ہو رہا ہے۔“

زوال سے نکلنے کے تمام راستے بند ہونے کے باعث یہ نظام توقع کی بہترین صورت میں بھی ایک طویل جوہد کی دلدل میں ڈھنس چکا ہے جس کی وجہ سے معیار زندگی پر بتاہ کن اور دورس اثرات مرتب ہوں گے اور یہ سلسلہ ایک نئے عالمی برلن کے آنے تک یوں ہی چلے گا۔

اہر تی ہوئی میشتوں کو جن مسائل کا سامنا ہے جن اس کی سب سے بہترین مثال ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق چینی میشت کی 2014ء میں شرح ترقی 1990ء کے بعد کم ترین سطح پر ہے۔ آئی ایم ایف نے سال 2015ء میں چینی میشت کی ترقی کی شرح کو 7.1 فیصد سے کم کر کے 6.8 فیصد کا تجھیہ دیا ہے۔ فائل نامزد کے مطابق 2014ء میں چین کے کل 31 میں سے تیس صوبے متعین کردہ ترقی کے ہداف حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں صرف ایک صوبہ ترقی کا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب رہا اور وہ تبت ہے، جو چین کا معashi جم کے حوالے سے سب سے چھوٹا صوبہ ہے۔

2014ء میں شرح ترقی کے ہدف سے 0.5 فیصد کی کمی بعد شکھائی نے سال 2015ء کے ہداف کا تعین ہی نہیں کیا۔ جیسے جیسے سرمایہ دارانہ بحران کے تلاع خاتم دنیا کی سب سے بڑی برآمدات کی حامل میشت میں سرایت کرنا شروع ہوئے، یہ اعداد و شمار چین کے مجرراتی عہد عروج کے اختتام کے آغاز کی عکاسی کر رہے ہیں۔

### سرمایہ داری کا عالمگیر بحران

2008ء میں جب عالمی میشت ایک ایسے بحران میں دھنسا شروع ہوئی تھی جس کی ماضی میں کوئی نظر نہیں ملتی تو دنیا میں سب سے زیادہ برآمداتی اجناس پیدا کرنے والا ملک چین اس بحران کے اثرات سے نسبتاً محفوظ نظر آ رہا تھا۔ 2008ء میں جی ڈی پی میں اضافے کی شرح سال 2007ء کی 14.2 فیصد سے گر کر 9.6 فیصد تک آنے کے بعد چینی حکومت نے 586 ارب امریکی ڈالر کی دیوبیکل رقم کے ذریعے میشت کو سہارا دینے کے منصوبے پر عمل درآمد کا راستہ اختیار کیا۔ یہ رقم چین کی میشت سے تین گناہ بڑی میشت کے حامل ملک امریکہ کی اپنی میشت کو سہارا دینے کے اعلان کردہ منصوبے کے تقریباً ماقابل تھی۔ ریاست کی جانب سے اتنی خطیر رقم کے میشت میں قرضوں کی صورت میں جھوٹنے کی وجہ سے میشت کو ایک عارضی آسراں گیا۔ تاہم چین کی میشت عالمی بحران کے اثرات سے محفوظ نہیں تھی اور بحران کے باعث چین کی برآمدات میں تیزی سے کمی واقع ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر چینی ریاست نے میشست کو چاول کھنے کیلئے انفراسٹرکچر کی تعمیر پر بے پناہ اخراجات کی پالیسی اختیار کی جس کے باعث میشست

کی ترقی کا عمل چلتا رہا اگرچہ ماضی کی نسبت کم شرح سے۔ تاہم مجموعی طور پر ان اقدامات کے بھیساںکت تباخ برآمد ہوئے۔ اس سارے عمل کا سب سے اہم نقطہ معیشت میں خاص کر تعمیرات اور بھاری صنعت میں زائد پیدواری صلاحیت کی صورت میں سامنے آیا۔ ریاست نے قیاس آرائیوں پر منی بلبوں خاص کر پر اپرٹی کے بلبلے کے حد سے زیادہ بڑا ہونے کے باوجود اس سارے عمل کو جاری رکھا۔

عالی بورڈ وازی چینی معیشت کے حمر میں بنتا ہو کر یہ دعوے کرنا شروع ہوئی تھی کہ چین عالمی معیشت کو زوال سے باہر نکالے گا۔ تاہم جیسا کہ ہم نے اس وقت بھی یہ وضعیت کی تھی کہ یہ ریاستی اخراجات کا پروگرام صرف عارضی سہارا فراہم کرے گا لیکن ساتھ ہی دیوبھیکل بلبلے بنانے کا باعث بھی بنے گا۔ پر اپرٹی کی منڈی نے وسعت اختیار کی اور 2010ء میں جب یہ منڈی اپنے عروج پر تھی ایک گھر کی قیمت ایک اوسط خاندان کی آمدن سے بارہ گناہ بڑھ گئی۔ اس پالیسی کے باعث 2012ء تک معیشت کی شرح نمو 9% نصدم سے زائد پر برقار رہی جب پر اپرٹی کے بلبلے کے مزید خطرناک حدود تک پھولنے کے خوف کی وجہ سے اس میں سے ہوا نکلنے کا عمل شروع کیا گیا۔ ہب سے چین کی سالانہ ترقی کی شرح میں تیزی سے کمی واقع ہوئی ہے۔

بورڈ وام معیشت دانوں کے خیال میں شرح نمو میں یہ کمی کسی خاص خطرے کا سبب نہیں تھی چونکہ ست رفتار ترقی زیادہ ”استحکام“ اور ”صحت مند“ معیشت کی ہی توقعات ہوتی ہیں۔ ترقی کی شرح میں کمی حکومتی اور آئی ایم ایف کے اندازوں کے مطابق ہو رہی تھی اس کے ساتھ ساتھ اجر توں میں اضافہ ہو رہا تھا جس کا مطلب تھا صارفین کے پاس زیادہ پیسے ہیں جس سے یہ امید وابستہ کی جا رہی تھی کہ داخلی منڈی کی کھپت میں اضافہ برآمدات میں ہونے والے خسارے کو پورا کرنے کا مقابل ذریعہ ثابت ہو گا۔ تعالیٰ چین ایک تیز اور اچاک بڑی گروٹ سے اس لئے محفوظ ہے کیونکہ ریاست نے کپیشنیں پالیسیوں سے معیشت کو برقار رکھا ہوا ہے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ براں ختم نہیں ہوا بلکہ اس کو عارضی طور پر تالی دیا گیا ہے۔ براں کو جتنے لمبے عرصے کیلئے ٹالا جائیگا اتنی ہی شدت سے اس کی تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ منڈی کی ہر معیشت پر سرمایہ داری کے اصولوں کا اطلاق لازم ہے۔

## مقداری آسانی (Quantitative Easing)

گزشتہ سال 16 جولائی کو اکاؤنٹسٹ جریدے نے ایک خوشگوار رپورٹ شائع کی ”بدعنوani کے خلاف مہم کے عرصے میں کٹوتیوں، بڑی کمپنیوں کے دیوالیہ ہونے اور پر اپرٹی کے بلے کے پھٹنے کے حوالے سے پایا جانیوالا ہر قسم کا خوف بنتیجا اور غیر ضروری ثابت ہوا ہے۔ چین کی معاشی بڑھوٹری سال کی دوسری سہ ماہی میں 7.5 فیصد ہو گئی ہے جو حکومت کے معین کردہ ہدف کے بالکل عین مطابق ہے۔“

اس عرصے میں چین کی حکومت نے ایک ”نئے معمول“ کے بارے میں گفتگو شروع کر دی جس میں چینی ماضی کی بلند شرح نمو کے مقابلے میں اب ایک نبتاب کم شرح ترقی کو طویل عرصے تک برقرار رکھنے کے دور میں داخل ہو رہا ہے اگرچہ ماضی میں اتنی کم شرح ترقی کے قوی اہداف کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بظاہر یہ لگتا تھا کہ کچھ معيشت دنوں کے خدشات کے بر عکس چین بلند ترین شرح ترقی سے نیچے آتے ہوئے کسی بڑی اور اچانک گراوٹ سے مکمل طور پر نیک گیا ہے۔ تاہم گزشتہ چھ ماہ کے دوران سرمایہ کاری کی شرح میں مسلسل کی آرہی ہے اور جائیدادوں کی قیتوں میں کمی کا رجحان برقرار ہے۔ اچھے وقوف کی مشہور زمانہ ذمہ دار پیور و کریمی 500 ارب یوآن (18 ارب ڈالر) کے اضافی نوٹ چھاپ کر مقداری آسانی جیسے انتہائی غیر ذمہ دارانہ اقدامات کرنے پر مجبور ہے تاکہ معاشی بڑھوٹری کے عمل کو سہارا دیا جاسکے۔ 20 ستمبر 2014ء کے اکاؤنٹسٹ کے مطابق ”مرکزی بینک نے بلاشبہ اس لئے قرض دینے کا اعلان کھلے عام نہیں کیا چونکہ وہ یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا کہ وہ وزیر اعظم فی کے قرض کے ذریعے معيشت کو سہارا نہ دینے کے وعدے کے برخلاف اقدامات کر رہا ہے۔“ لیکن نام بدل دینے سے حقائق نہیں بدل جاتے۔ چینی بیور و کریمی اب عالمی معيشت کے بحران کے بے پناہ دباو کو محسوں کرنا شروع ہو گئی ہے اور یہی دباو اب ان کو مخصوص پالیسیوں پر عملدرآمد کیلئے مجبور کر رہا ہے۔

بیور و کریمی نے پر اپرٹی اور دیگر غیر پیداواری مالی بیبلیوں کے جنم کو کم کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود گزشتہ سال کی آخری سہ ماہی سے پہلے ایک بڑی گراوٹ کے سنجیدہ خطرے کے پیش نظر حکومت کو مقداری آسانی جیسا انتہائی قدم اٹھانا پڑا۔ تاہم اس کے وہ متاثر ہر آمنہیں

ہوئے جس کی حکومت کو توقعات تھیں۔ درحقیقت مقداری آسانی کی پالیسی پر عملدرآمد شروع کرنے کے بعد چینی معیشت کی ست روی میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ ریاست شرح نمو میں گروٹ کی رفتار کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معیشت میں ریاست کی جانب سے مسلسل خرچ کی جانبی اول رقم کی مقدار میں بترجع کی لانا چاہتے ہیں۔ لیکن منڈی کا رد عمل شدید ہے اور تیزی سے سرمایہ کاری میں کمی آرہی ہے۔ تمبر میں سرمایہ کاری 1.05 ہزار ارب یوآن تھی جو اکتوبر میں گر کر 662 ارب یوآن ہو گئی ہے۔ سرمایہ کاری میں یہ گروٹ اتنی تیز تھی کہ اس کو دیکھتے ہوئے بیورو کریمی کو اس سال کی معاشری نمو کی توقعات پر نظر ثانی کر کے اس کے ہدف کو کم کرنا پڑا۔ اس سال بھی حکومتی اقدامات متوقع طور پر گروٹ کے اس بے قابو جان پر قابو پانے کی کوشش کریں گے۔

ہانگ کانگ کے مذہبی کورٹیشنز ایشیا لمبیڈ نامی ادارے کے چیف اکاؤنٹسٹ شین جیاگو ہانگ نے 14 نومبر 2014ء کے بلوم برگ میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”ست روی ہو سکتی ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ مقداری آسانی چینی شرح ترقی کی ست رفتاری پر اپنے اثرات مرتب کرتے ہوئے اس کی مدد نہیں کر سکی۔“ اس نے مزید کہا کہ اسے دسمبر تک روانی ہٹھنڈوں RRR یا شرح سود میں کی جیسی کسی پالیسی کی توقع ہے۔

میثل کا سنگ فینٹری کے گریگری جارڈن نے کہا کہ، ”ان اقدامات میں سے کوئی بھی اصل مسئلے، زائد پیداوار کو حل نہیں کر سکتا۔“

امریکہ کی شرح نمو کم ہونے اور یورپ کے زوال کی جانب لڑھنے کی وجہ سے چین کی صنعت کو اپنی اجناس کی کھپت کیلئے منڈی کے فقدان کا سامنا رہے گا۔ ان حالات میں ریاستی اخراجات کی پالیسی بھرائی کوٹلنے کا باعث تو بن سکتی ہے۔ اس خطرے کے ساتھ کہ جب بھرائی آئیگا تو اس کی شدت میں آج کی نسبت کئی گناہ اضافہ ہو چکا ہو گا۔ چین کی معیشت بغیر کوئی لپک کھائے تیزی سے ست روی کی جانب گامزن ہے۔ زائد پیداوار ایک طاعون کی وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ گزشتہ سال مستقل اٹاٹوں یا ملاک میں سرمایہ کاری میں اضافے کی شرح 15.7 فیصد رہی جو 2001ء کے بعد کم ترین شرح ہے۔

دسمبر میں خطرے کی سرخ ہتی جانشروع ہو گئی تھی چونکہ فیکٹریوں کے منافعوں میں آٹھ فیصد کمی واقع ہوئی تھی۔ ”زاند صلاحیت“ یا زائد پیداوار نے میونیچر گرگ کے شعبے کو جس حد تک متاثر کرنا شروع کر دیا ہے اس کو سنبھالنا ریاست کے بس میں نہیں۔ چین کی انفارمیشن بیکنالوگی اور صنعت کے ایک نائب وزیر نے گزشتہ ماہ تبرہ کرتے ہوئے کہا ”جیسے جیسے معیشت ایک نئے معمول میں داخل ہو رہی ہے صفتی شعبے کو زوال کی جانب ایک بڑھتے ہوئے دباؤ، نامعقول ڈھانچوں اور کمزور ایجاداتی الہیت جیسے مسائل کا سامنا ہے۔“

زوال کی جانب دباؤ کی بڑی وجہ مانگ میں کمی ہے۔ مجموعی طور پر پیداواری صلاحیت کے تصرف میں کمی ستر فیصد تک ہے جو امریکہ میں اسی فیصد تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس صورتحال کا حکومتی اخراجات کے منصوبوں کے نتیجے میں لگنے والے قرضوں کے انبار کے ساتھ امترانج معیشت کے مکمل عدم استحکام کیلئے زمین ہموار کر رہا ہے۔ کافی مدت کیلئے اس تجربے کے ذریعے یہ ممکن لگ رہا تھا کہ حقوق سے پہلو تھی ممکن ہے بالکل اسی طرح جیسے کسی کارروائی فلم کا کوئی کردار کسی چوٹی سے نیچے گرجاتا ہے لیکن اسے فوری طور پر اس کا احساس نہیں ہوا پاتا۔ لیکن جلد ہی حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے ہی حکومت نے کینشیں تجربے اور ریاستی اخراجات کے زیادہ بڑے منصوبوں کے ذریعے اس غیادی مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی تو تمام تضادات کھل کر سطح کے اوپر آنا شروع ہو گئے۔

حقیقت کی سادہ الفاظ میں وضاحت یہ ہے کہ چین کی پیداوار عالمی منڈی کی حدود سے تجاوز کر چکی ہے اور داخلی منڈی کو سرمایہ کاری اور کمپنی کیلئے وسعت دیئے کی کوشش میں چین کی ریاست نے اجرتی محنت اور سرماۓ کے درمیان تضادات کو شدید کر دیا ہے۔ ہاں حقیقی اجرتوں میں اضافہ ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ کئی لوگوں کیلئے حقیقت یہ ہے کہ اب ان کی نسبتی اجرتوں میں کمی واقع ہونا شروع ہو گئی ہے۔ ریاست کی پشت پناہی اور مدد سے ہونے والی قیاس آرائیوں پر مبنی سرمایہ کاری سے عوام اور محنت کش طبقے کی بھاری اکثریت کو بکشل ہی کوئی فائدہ پہنچا ہے، سوائے اس کے کہ اجرتی غلامی کے حالات میں کچھ بہتری ہوئی۔ اگرچہ پر اپرٹی کی قیمتوں میں قبل ذکر کی ہوئی ہے لیکن یہ ابھی تک ایک اوسط خاندان کی آمدنی کے مقابلے میں چار گنازیادہ ہیں۔ پر اپرٹی کی قیمتوں میں عروج کے خاتمے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ

تعمیرات کی صنعت میں اب محنت کشوں کی اجرتوں کی میں گراوٹ معمول بنتا جا رہا ہے۔ کوئی کی کائن اور سیل کی صنعت زائد پیداواری صلاحیت کے باعث سب سے زیادہ متاثر ہونے والے شعبے ہیں اور ان میں کام کرنے والے محنت کشوں کو اب اپنی ملازمتوں پر لٹکنے والی خطرے کی توارکا احساس ہو جائے گا۔ چونکہ حکومت اسے قابل ضایع (زائد پیداوار) بھجتے ہوئے اس پر حملہ کی تیاری کر رہی ہے۔ اب تک ریاست ان محنت کشوں کو کام کے بدترین اور ذلت ناک زندگی کے حالات میں تن سے سانس کا تعلق بحال رکھنے کیلئے ریاستی امداد کے نام پر جو کچھ دے پا رہی تھی وہ سنتے قرضوں کی فراہمی کے تسلسل پر مبنی یہی قابل اعتبار روزگار تھا جس کو اب خطرات لاحق ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار جو بالکل ناقابل اعتبار ہیں کہ مطابق پیر وزگاری کی شرح 4.1 فیصد ہے جبکہ غیر سرکاری اندازوں کے مطابق یہیں فیصد کے فریب ہے۔ کم از کم ستائیں کروڑ چالیس لاکھ دیہاتی مہاجر محنت کش ایسے ہیں جن کو اعداد و شمار مرتب کرنے والے تکمیل طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ دیہاتی مہاجر محنت کش روزگار سے محروم ہوتے ہی اپنے گاؤں لوٹ جاتے ہیں اسی لئے اعداد و شمار کے گورنمنٹ میں ان کا کہیں شمار نہیں ہوتا۔ روزگار کا مسئلہ کوئی ٹانوی نوعی نویعت کا مسئلہ نہیں ہے۔ 1989ء کے بعد ہیور و کریمی ملازمت کی تلاش میں شہروں کی جانب بھرت کرنے والے لاکھوں لوگوں کیلئے روزگار پیدا کرنے میں پر عزم رہی تاکہ سماجی استحکام کو یقینی بنایا جاسکے اور کسی عوامی بغاوت کو ابھرنے سے روکا جاسکے۔ لیکن اب اگر یہ سارا عمل واپس ہوتا ہے تو مالکان اور ریاست کو جلد ہی ان بے پناہ جرات مند صفتی محنت کشوں کو ان کی بیانی دی ضروریات سے محروم کرنے کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

### چین کے معاشری زوال کے چھپوڑ دینے والے اثرات

چین اب دنیا کا سب سے زیادہ تو اتنا ای استعمال کرنیوالا ملک ہے اور صنعت میں تو اتنا کی کھپت کے حوالے سے صرف امریکہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس نے چینی معیشت کی بڑھتی ہوئی سست روی کے دوسرا مالک کی قوی معیشتوں اور مجموعی طور پر عالمی معیشت پر تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔ چین کی معاشری شرح نمو میں کمی کے باعث آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقیہ سمیت کئی ممالک کی چین کو ہونیوالی خام مال کی برآمدات میں گراوٹ آئے گی اور جنوبی امریکہ کا

خطہ زیادہ بڑی طرح متاثر ہو گا۔

چلی کا چالیس فیصد تانبہ چین خریدتا ہے اور حال ہی میں آئی ایم الیف کی چین کی شرح نمو کے ہدف میں کی کی پیشین گوئی سامنے آنے کے بعد تانبے کی قیمت میں گیارہ فیصد کی واقع ہو گئی ہے۔ نیو یارک نائٹر 6 دسمبر 2014ء کو لکھتا ہے۔ ”چین کی لاطینی امریکہ کے خام مال کو ہر پ کرنے کی بے پناہ بھوک کی وجہ سے گزشتہ دہائی 1970ء کے بعد اس خطے کی خوشحالی کا سب سے بہترین عرصہ تھا۔ اس کی وجہ سے حکومتی خزانے بھر گئے اور ترقی پیا خطے کی آدمی غربت ختم ہو گئی لیکن اس عہد کا خاتمه ہو چکا ہے۔ گزشتہ ہفتے لاطینی امریکہ کی ترقی و خوشحالی کو درپیش مسائل کے عنوان پر منعقد کی جانیوالی آئی ایم الیف کی کانفرنس میں شریک ماہرین کو جو سب سے بڑا اور واضح خطرہ نظر آ رہا تھا وہ چینی معیشت کی ست روی ہے۔“

حالیہ عرصے میں تیل کی قیمتوں میں آنیوالی کی کا بھی عالمی بحران اور اس کے نتیجے میں چینی معیشت میں آنیوالی ست روی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ماضی میں چین کی تیز رفتار ترقی اور اس کے ایشیا اور دیگر خطوں پر اثرات وہ نیادی عصر تھا جس نے ایک عالمگیر معاشری انہدام سے دنیا کو محفوظ رکھا۔ لیکن اب چین کی معیشت میں جاری ست روی اور مستقبل میں زیادہ بڑی گروٹ کے تناظر کے باعث چین کا کردار اپنے الٹ میں تبدیل ہو کر سرمایہ داری کے عالمی بحران اور انہدام کا باعث بننے والا بنیادی عنصر بن جائیگا۔

## عالم بے بی کے اقدامات (Desperate Measures)

انہائی بے بی کے عالم میں سرمایہ دار کسی بڑی کساد بازاری سے بچنے کیلئے نہیں بلکہ محض اس نظام کو چالو رکھنے کیلئے ایسے انہائی اقدامات کرنے پر مجبور ہیں کہ جن کی ماضی میں کوئی نظر نہیں ملتی۔ اس کا اندازہ محض اس حقیقت کے تجربے سے کیا جا سکتا ہے کہ تاریخ کے سب سے دیویہ کل مالیاتی پروگرام کے ذریعے موجودہ نحیف ترین شرح نمو حاصل کی جاسکی ہے۔ یہاں دیکھے پانیوں کی نامعلوم گہرائی ہے۔

مرتبے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کو مرکزی بینک کی مصنوعی سانسیں فراہم کرنے والی مشین نے کھربوں ڈال کی رقم مالیاتی نظام میں جھوک کر زندہ رکھا ہوا ہے۔ لیکن جتنا زیادہ ان انہائی

اقدامات کو استعمال کیا جا رہا ہے اتنا ہی ان کے اثرات کم سے کم تر ہو رہے ہیں، بالکل ایک نئے کے عادی فرد کی طرح ہے ہر بار نئے کی ایک خاص کیفیت کو حاصل کرنے کیلئے پہلے سے زیادہ ہیر و ٹن کی مقدار جسم میں داخل کرنا پڑتی ہے۔

پانچ سال قبل چین میں ایک ڈالر کی ترقی حاصل کرنے کیلئے ایک ڈالر کا قرضہ درکار تھا جبکہ 2013ء میں اسی ترقی کو حاصل کرنے کیلئے چار ڈالر کا قرض اٹھانا پڑا اور تمام قرضوں کا ایک تھائی حصہ اب پرانے قرضوں کی ادائیگی پر خرچ ہوتا ہے۔

چین کی شرح نمودیں سال کی کم ترین سطح پر آگئی ہے اور ہر آمدات میں ہونیوالی کمی برازیل، جنوبی افریقہ، انڈونیشیا، چلی، کولمبیا، روئی اور بیرو پر قیامت ڈھاری ہے۔ مالیاتی گردش میں آئیوالی زیادہ تر نئی رقوم پیداواری سرمایہ کاری کی بجائے قیاس آرائی پر منی خطرناک سودے بازیوں پر خرچ کی جا رہی ہیں جس سے ہر قسم کے نئے تضادات جنم لے رہے ہیں۔

امریکہ میں ہر ماہ پچاسی ارب ڈالر کی رقم بینکنگ سسٹم میں جس مقداری آسانی نامی پالیسی کے ذریعے جھوکی جا رہی تھی اس کے متاثر انتہائی مغلکوں ہیں اور اب اسے بتدرنج اور مقاطع انداز میں کم کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ مقداری آسانی ختم کی جا رہی ہے لیکن فیڈرل ریزرو کے میزان کا توازن ناقابل تصور حد تک بگڑ چکا ہے۔ یورپ میں تفريطیز (Deflation) کے خطرے کے پیش نظر مرکزی بینک بانڈز خرید کر نوٹ چھاپنے کی اپنی منفرد پالیسی پرل پر اہے تاہم جرمی افراط زر کے خوف سے ہچکا ہٹ کا شکار ہے اور خزانے کی چابی تو اسی کے پاس ہے۔ یہاں سرمایہ داری نظام کو مالیاتی افون نہ فراہم کرنے کے بناہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں خاص کر ابھرتی ہوئی منڈیوں میں۔ 10 اپریل 2014ء کے فائل نامہ میں شائع ہونے والی آئی ایف کی عالمی مالیاتی استحکام کی شتابی رپورٹ میں لکھا ہے: ”غیر معمولی ریاستی امداد کی پالیسیوں پر عملدرآمد ترک کرنے سے پہلے اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نئے ماحول کی مناسب تیاری نہیں کی گئی جس میں اپنے تین جاری رہ سکنے والی معاشی نمکن ہو۔“ اس لئے جو ہنسیتے پیسے کی فراہمی بند ہونے کو تھی تمام تر دولت غائب ہونا شروع ہو گئی اور اپنے پیچھے قیمتیوں میں گراوٹ اور خلفشار چھوڑ گئی۔

”دنیا کی کمر توڑنے والے مالیاتی زوال کے چھ سال بعد ایک بار پھر عالمی معیشت کے افق

پر خطرے کی سرخ بیال جانا شروع ہو گئی ہیں۔“ یہ انتباہ سے لبریز الفاظ برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کے ہیں جو برسین، آسٹریلیا میں جی 20 مالک کے سیاسی سربراہان کی میٹنگ میں شرکت کے بعد ابھی واپس لوٹا ہے اور عالمی میعیشت کے حوالے سے سخت پریشانی میں ہبتلا ہے۔

جوں جوں سرمایہ دارانہ بحران کی آگ ایک کے بعد دوسرا ملک کو اپنی لپیٹ میں لیتی جا رہی ہے توں توں حکمران طبقات کے ماہین بھائی کی پرامید گفتگو کی جگہ صورتحال کی ٹکنی کی سنجیدہ فکر اور یہ ادراک لیتا جا رہا ہے کہ جمود، زوال اور بحران سرمایہ داری کا ایک نیا معمول ہیں۔

### عدم استحکام اور بے یقینی

ڈیوڈ کیمرون نے گارڈین اخبار میں لکھے گئے اپنے مضمون میں کافی وضاحت کے ساتھ موجودہ معاشری مسائل اور خلفشارکی وجوہات کی نشاندہی کی ہے۔ وہ لکھتا ہے ”مسائل واضح نظر آرہے ہیں، یورپ کو بحران کا تیر اغوطہ لگانے کا خدشہ ہے، بڑھتی ہوئی بیروزگاری اور شرح نمو میں گروٹ کے ساتھ قیمتیوں کے گرنے کا شدید خطرہ موجود ہے، برکس (اہمتر ہوئی) میعشوتوں میں آنے والی ست روی کے ساتھ یوکرائن اور مشرق وسطی میں بحران کے نتیجے میں جنم لینے والے سیاسی و جغرافیائی تصادم اور تنازع۔ یہ سب کچھ ایک خطرناک عدم استحکام اور بے یقینی کی کھانی میں دوبارہ دھکیلنے کا باعث بن رہا ہے۔“

ٹوری پارٹی کا لیڈر یہ انتباہ سرمایہ داری نظام کا تقدیمی جائزہ لینے کیلئے نہیں لکھ رہا بلکہ وہ ان الفاظ کے ذریعے اپنے پچھواڑے کا دفاع کرنا چاہتا ہے۔ حالیہ ڈقوں میں کیمرون، اوسمیورن وغیرہ فاتحانہ انداز میں برطانیہ کی معاشری ”کامیابیوں“ کا ڈھنڈوڑا پیٹ رہے ہیں چونکہ برطانیہ ان چند ترقی یافتہ مالک میں سے ایک ہے جن کی میعیشت میں کوئی قابل ذکر بڑھوڑی دیکھی گئی ہے۔ لیکن برطانیہ کی میعیشت میں جو بڑھوڑی نظر آرہی ہے وہ معیار زندگی کو بہتر کرنے کا باعث نہیں بن رہی بلکہ ریز والوں فاؤنڈیشن کے شائع ہونے والے حالیہ اعداد و شمار کے مطابق ہفتہ وار اوسط اجرت کم ہو کر سال 2000ء کی اجرتوں کی سطح تک پہنچ چکی ہے۔

چیل 4ٹی وی کا معاشری ایڈیٹر پال میسن کہتا ہے۔ ”آپ کو سمجھنے کیلئے عظیم ریاضی دان ہونے کی ضرورت نہیں کہ اگر میعیشت تین فیصد کی شرح سے ترقی کر رہی ہے اور اجرتوں میں اضافہ

مغض 0.1 نیصد سے ہو رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ محنت کرنے والے لوگ بھالی کے ثمرات سے کمل طور پر محروم ہیں۔“

اعداد و شمار سے واضح ہے کہ برطانیہ میں ہونیوالی معاشی نمو، جیسا کہ موجودہ چکوٹ حکومت نے اعلان بھی کیا تھا، کے بنیادی محکمات سرمایہ کاری، مینوپیکچر گرگ یا برآمدات نہیں ہیں بلکہ یہ بدھوترا صارفین کے بڑھتے ہوئے خریداری کے رجحان کی وجہ سے ہے۔ لیکن اگر حقیقی اجرتوں میں کی واقع ہو رہی ہے تو خریداری کیسے ہو رہی ہے؟ بلا معاوضہ تو کہیں سے کچھ نہیں ملتا۔ اس کا مطلب ہے کہ کہیں ایک ناپائیدار بلبلے میں ہوا بھری جا رہی ہے۔ کشش ثقل کے خلاف حرکت کو زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھا جا سکتا اور اس لئے جلدی وہ لمحات آجائیں گے جب برطانوی معیشت ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہو جائیگی۔

اب یہ دکھائی دے رہا ہے کہ ہمارے پر جوش سیاسی قائدین نے جدیبات کا ایک سبق سیکھتے ہوئے یہ دریافت کر لیا ہے جس کی وضاحت مارکس اور ایگلز نے 165 سال قبل کمیونٹ میں فیسوٹو میں کی تھی کہ سرمایہ داری نے ایک عالمی منڈی تخلیق کی ہے، ایک عالمگیر باہمی ربط و ارتباط کا نظام جس میں مختلف ممالک کی معیشیں ناقابل علیحدگی طور پر باہم منسلک ہیں۔

دوسرے الفاظ میں برطانیہ میں کیسروں جس معاشی ترقی کی ڈینگیں مار رہا ہے وہ اپنی بہترین شکل میں بھی نہایت ہی کمزور اور نحیف ہے اور کسی بھی خطے کے زوال اور گراوٹ یا سست روی سے جنم لینے والے چھپڑوں کا مقابلہ نہیں کر پائے گی۔ گاڑیں اخبار میں لکھے گئے مضمون میں کیسروں لکھتا ہے کہ ”حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس باہمی ربط دنیا میں عالمی معیشت کو درپیش بڑے بڑے مسائل ہمارے ملک میں ہونے والی بھالی پر خطرات کی صورت میں منڈلار ہے ہیں، ہم اس کے اثرات پہلے ہی دیکھ رہے ہیں کہ یوروزون کی سست روی کے باعث ہماری برآمدات اور مینوپیکچر گرگ کے شعبے بری طرح متاثر ہو رہے ہیں۔“

سرمایہ داری کے عالمی بحران سے بچنا آسان نہیں!

گزشتہ دہائی کے دوران اعلیٰ معیار کی پیداواری صنعت اور مسابقاتی برآمدات کی بنیاد پر تعمیر ہونیوالے معاشی انجمن جنمی کی معاشی طاقت اپنے الٹ میں تبدیل ہو کر اب اس کی کمزوری منت جا

رہی ہے۔ جیسا کہ بی بی سی کامعائی ایڈیٹر ابرٹ پیشن وضاحت کرتا ہے ”برآمدات پر بے پناہ انحصار کا مطلب ہے کہ جو ہی باقی دنیا میں شرح نمکم ہو گی، جیسا کہ اب ہو رہی ہے، تو لازمی طور پر جرمی کی شرح نمیں بھی گراوٹ آئے گی۔ اس سال زیادہ تر یہی ہوتا رہا، پروزون ممالک کی اکثریت (دوبارہ) مشکلات کا شکار ہے اور جن کی قرضوں کے مل پر ہونے والی سرمایہ کاری پر انحصار کم کرنے کی پالیسی اس کی شرح نمیں کی کا باعث بن رہی ہے۔“

ایک باہم مربوط دنیا میں کوئی بھی ملک تھا نہیں رہ سکتا۔ جرمی کا حکمران طبقہ سالوں تک یورپ کی دیگر میشتوں (PIIGS) پر ٹکال، آئرلینڈ، اٹلی، یونان اور چین کی حوصلہ افزائی کرتا رہا کہ وہ (جرمن بیگوں سے) قرض لیکر (جرمنی کی) برآمدات خریدیں اور اب ان غیر ذمہ دار اور بد مقاش ممالک سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ کٹو ٹیوں کی پالیسی لا گو کریں، ساختی اصلاحات (یعنی محنت کشوں کی اجرتوں، حقوق اور معیار زندگی پر حملے) کریں تاکہ ان کی معاشری حالت بہتر ہو۔

لیکن یہ واضح ہے کہ کوئی بھی ملک مکمل طور پر برآمدات کرنے والا ملک نہیں ہو سکتا۔ ہر تجارتی فائدے کے ساتھ مسلک ایک تجارتی خسارہ بھی ہوتا ہے۔ آخری تجربے میں مقابلہ بازی کی صلاحیت کا کردار سبقتی ہے۔ تمام ممالک کے اقدامات ایک دوسرے پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ جو اقدام کسی ایک ملک کے لئے مفید و معقول ہوتا ہے، جیسے اجرتوں میں کمی اور مقابلہ بازی اور مسابقت کی صلاحیت میں اضافہ وغیرہ، وہی اقدامات جہاں منڈی سے دوسرے برآمدی ممالک کی اجناس کی مانگ کم کر دیتے ہیں وہی عمومی طور پر عالمی مانگ میں کمی کا باعث بنتے ہیں اور ایک ایسی صورتحال پیدا کر دیتے ہیں جو جمیع طور پر عالمی معیشت کے لئے نامعقول ہوتی ہے۔ جیسے پیشن مزید لکھتا ہے، ”اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان ممالک سے کٹو ٹیوں پر عملدرآمد کا جو مطالبہ کیا جا رہا ہے اس کے مقابل کے طور پر ان ممالک کی اجناس اور خدمات کے لئے جرمی کی جانب سے کوئی اضافی مانگ نہیں پیدا کی جا رہی۔ اس صورتحال میں کمزور میشتوں کے قرضوں کے جنم کو کم کرنے کی پالیسی عالمی سطح پر اپنے پڑوی کو بھکاری بننے پر مجبور کرنا ہے۔ ہر کوئی زیادہ سے زیادہ کلفیت شعار ہوتا جاتا ہے۔ عالمی شرح نمکم ہوتی جاتی ہے اور جرمی سمیت تمام ممالک ضرورت سے زیادہ غریب ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے جرمی کی مالیاتی پارسائی اور محتاط روسیہ قابل نہ ہونے کے باوجود ضروری نہیں

کہ معقول بھی ہو۔“ وہ مزید لکھتا ہے، ”علمی میشیٹ کا لاغر پن جو کچھ ظاہر کر رہا ہے وہ موجودہ عالمگیریت یعنی ناقابلِ علیحدگی حد تک باہم مربوطیت کے عہد میں ایک بار پھر قومی حکومتوں کی جانب سے اپنے نام نہاد، مستند قومی معاشی مفادات کے تحفظ کی کوششوں کا خطرہ ہے۔“

یوروزون کو اس مربوطیت کی وجہ سے جس مسئلے کا سامنا ہے اس کو بیان کرتے ہوئے فائل ٹائمز کا یورپی کالم نگار و لفگینگ لکھتا ہے، ”ساختی اصلاحات کی کیا کیفیت ہے؟ ہمیں ان کے اثرات کو مبالغہ آرائی سے نہیں پیش کرنا چاہیے۔ جرمی کی مزدوروں کے حوالے سے جن اصلاحات (رد اصلاحات) کی بہت تعریف کی جاتی ہے ان کی وجہ سے یوروزون ممالک کے مقابلے میں جرمی کی سابقی طاقت میں اضافہ ہوا لیکن اندر وہی مانگ میں اضافہ نہیں ہوا اور جب اس کا اطلاق مجموعی طور پر پورے یوروزون پر کیا جاتا ہے تو اس کے اثرات ناقابلِ ذکر حد تک کم ہو جاتے ہیں چونکہ ایک ہی وقت میں ہر ملک دوسرے کے ساتھ مسابقت میں مساوی نہیں ہو سکتا۔“

### ہیر و اور غنڈے

جرمنی جو ابھی کل تک معاشی تجزیہ نگاروں کا محبوب تھا اب ایک غنڈہ لگنا شروع ہو گیا ہے۔ دنیا بھر کے تمام نمایاں افراد کے غصے کا رخ آج کل مرکل کی جانب ہے جو یوروزون کی بڑھتی ہوئی پریشانیوں کا سب اس کی کٹوتیوں کی پالیسی پر عملدرآمد کے مسلسل اسرا رکو قرار دے رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جرمی کے محنت کشوں کی اجرتوں اور ریاستی اخراجات میں اضافے کے سخت انکار کے فیصلے کو تبدیل کرنے کے حوالے سے مرکل کو مسلسل مشورے اور دلائل بھی دے رہے ہیں۔ فائل ٹائمز 14 نومبر کو لکھتا ہے، ”مالیتی درستگی کے لیے یورپ کو اصلاحات اور تیاری کرنے کی ضرورت ہے لیکن جرمی کا مسلسل انکار عالمی میشیٹ کے لیے بڑے مسائل پیدا کرنے کا خطرہ بنتا جا رہا ہے۔“

دنیا بھر کے قائدین کی خواہش ہے کہ مرکل یورپی میشیٹ کا توازن بحال کرتے ہوئے داخلی کھپت کو بڑھانے کی حوصلہ افزائی کرے تاکہ باقی ممالک جرمی کو کی جانیوالی برآمدات میں اضافہ کر سکیں۔ دوسرے لفظوں میں باقی دنیا کی خواہش ہے کہ وہ اپنا بحران واپس جرمی کو برآمد کریں۔ قابلِ فہم طور پر مرکل ایسی تجویز کی حمایت نہیں کرتی۔ ذمہ دار جرمی کیوں اپنے غیر ذمہ دار

پڑسیوں کے خسارے پورے کرے؟ ایک بار پھر ہم توی ریاست کی محدودیت دیکھ رہے ہیں جو سماج کی ترقی میں کلیدی رکاوٹ بن چکی ہے چونکہ ہر ملک کی قیادت دوسروں کی قیمت پر اپنی توی بورڈوازی کے مفادات کا تحفظ چاہتی ہے۔

جرمنی کے باقی یورپی ممالک کے ساتھ تعلقات بھی چین اور امریکہ کے تعلق چیز ہیں۔ سالوں تک چین کی بلند شرح نمو سماقتی برآمدات پر محصر تھی۔ یورپ میں بحران اور امریکہ میں مانگ میں کمی کے باعث برآمدات کی منڈی سکڑ گئی جس کی وجہ سے چین کی معیشت کوست روی کا سامنا کرنا پڑا۔ چین کی حکومت نے صورتحال کو سنبھالنے کے لئے دیوبیکل ریاتی (کینیشن) اخراجات کی پالیسی اپنائی جس کے باعث قرضوں کا پھیلاوا اور جنم بے پناہ بڑھ گیا خاص کر صوبائی حکومتیں اس عمل میں انتہا تک چلی گئی ہیں۔ تاہم جو نئی شرح نمو میں کی ہونا شروع ہوئی ملک کے اندر اور بیرونی دنیا میں قرضوں کے اس بلبلے کے حوالے سے شدید خدشات سامنے آنا شروع ہو گئے۔ اسی اثناء میں برازیل اور روس سمیت برکس (BRICS) کے دوسرے ممالک بھی خود کو اس پتلی گلی میں پھنستا ہوا محسوس کرنے لگے۔

برازیل کی معیشت کا انحصار بھی برآمدات پر تھا اور اسے بھی اس سال زوال کا سامنا ہے۔ یوکرائن کے مسئلے پر پیوشن پر لگنے والی معاشری پابندیوں اور عالمی معیشت کی ست روی کے باعث تیل کی گرتی ہوئی مانگ اور اس کی وجہ سے تیل کی قیمتوں میں گراوٹ کی وجہ سے روس معاشری بحران میں ہنس گیا ہے چونکہ روس کی سب سے اہم اور بڑی برآمدات تیل اور گیس ہیں۔ ان مثالوں سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ عالمی معیشت کو ایک دوسرے سے مکمل علیحدہ حصوں پر مشتمل سمجھنے کا خواب جس میں یا مید لگائی جا رہی تھی کہ برکس ممالک عالمی معیشت کو اس بحران سے نکالیں گے، بری طرح بکھر گیا ہے۔

## مقداری آسانی کا مستقبل؟

امریکہ اور برطانیہ کے بارے میں یہ اعلان کیا جا رہا ہے کہ یہ وہ ممالک ہیں جنہوں نے قبل ذکر شرح نمو حاصل کی ہے اور کئی احباب مقداری آسانی کی پالیسی کو اس کا ذمہ دار قرار دینے کی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔ امریکی مرکزی بینک، فیڈرل ریزرو 2012ء سے گزشتہ ماہ تک

خود اپنے تحقیق کردہ (چھاپے گئے مصنوعی نوٹ) پیسوں سے رہن شدہ قرضے، حکومتی بانڈز (حکومتی قرضے) اور یعنی فنڈ ز خریدتا آیا ہے۔

بینک آف انگلینڈ بھی اسی قسم کے عمل میں ملوث رہا ہے جس نے مقداری آسانی کی پالیسی کے ذریعے کل 375 ارب پاؤند کے اٹاٹھے خریدے ہیں (دیکھا جائے تو برطانوی حکومت کا کل قرضہ اس وقت 1450 ارب پاؤند ہے جبکہ برطانوی جی ڈی پی کی کل مالیت 1600 ارب پاؤند ہے)۔

اس سارے عمل کے پیچے یہ نظریہ کا فرماتا ہا کہ اس کے ذریعے بینکوں اور کمپنیوں کی قرض لینے کی لاگت کم ہو جائے گی اور وہ اپنے اٹاٹھے پیچے کے قابل ہو جائیں گے۔ مزید یہ امید یہ ہے کہ اس سے پھر مالیاتی اداروں اور کاروباریوں کو یہ تحریک اور ترغیب ملے گی کہ وہ سرمایہ کاری کریں اور مزید قرضے دیں جس سے معاشی ترقی کے رکے ہوئے عمل کو دوبارہ جاری کرنے میں مدد ملے گی۔ یقیناً نظریہ اور عمل میں کافی فرق ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بینکوں اور بڑے کاروباروں کو اپنے قرضوں کی لاگت میں کمی نظر آئی لیکن عالمی معیشت میں پہلے بے پناہ زائد پیداواری صلاحیت اور زائد پیداوار کی موجودگی نے کاروباریوں کے سرمایہ کاری کرنے کے موڑ کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ جیسا کہ رابرت پیشن کہتا ہے، ”کاروباریوں کیلئے سرمائی کے حصول کی لاگت کم کی گئی جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہونا چاہیے تھا لیکن جمیان کن خود تک ماہی کی بات یہ ہے کہ انتہائی سستے سرمائی کی دستیابی پیداواری صلاحیت میں اضافے پر خرچ کرنے کی بجائے کاروباری حضرات اپنی کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت میں استعمال کر رہے ہیں۔“

دوسری جانب اگرچہ بینکوں نے عام لوگوں کو قرض دینے کی شرح میں اضافہ بھی کیا ہے (جس سے دوبارہ رہن کے ذریعے پراپرٹی کے ملکے کو بچالایا جا رہا ہے) لیکن زیادہ تر بینک قرض لینے کی لاگت میں کمی کا تمام تر فائدہ خود تک محدود کیے ہوئے ہیں۔ وہ پرانی شرح سود پر قرضے دے کر ایک بڑا منافع اپنی تجارتیوں میں ڈال رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ فیڈرل ریزرو اور بینک آف انگلینڈ جو پیسے (چھاپ کر) ”تحقیق“ کر رہے تھے وہ حقیقی معیشت تک نہیں پہنچ پائے بلکہ صرف سرمایہ داروں کی تجارتیاں بھرنے کے کام آئے۔

مزید یہ کہ مقداری آسانی صورتحال کو استحکام فراہم کرنے کے بجائے امریکہ اور یورپ سے نکل کر پورے کرہ اض پر اٹاٹوں، قرضوں اور جائیدادوں کے بلے کو بڑھاوا دینے کا موجب بن رہی ہے جس سے عمومی عدم استحکام میں اضافہ ہو رہا ہے۔

پیشہ مزید لکھتا ہے: ”مقداری آسانی کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ مرکزی بینکوں کی جانب سے تخلیق کیا جانیوالا سرمایہ دنیا بھر میں پھیل کر ہر قسم کے غیر متوقع اور ان چاہے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ آغاز میں اس کو ایک بڑا جرات مندانہ اور تخلیقی طریقہ بتا کر پیش کیا گیا جو 2008ء کے بحران کے بعد عالمی معیشت کو دوبارہ ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا باعث بنے گا۔ اگرچہ اس سے بحران کو زیادہ گہرا اور طویل ہونے سے روکنے میں مددی لیکن معیشت کی بگٹتی ہوئی صورتحال کے مقابط پر اٹاٹوں کی قیمتیوں میں اضافے سے منڈیوں کے دوبارہ انہدام کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔“

ان سطور میں مارکس اور ایگلزز کی کمیونسٹ میں فشو میں کی گئیوضاحت کی گوئی سنائی دے رہی ہے۔ جنہوں نے یہوضاحت کی تھی کہ سرمایہ دار ہر بحران سے نکلنے کا راستہ تلاش کر لیتے ہیں لیکن اس صورت میں ”پہلے سے زیادہ شدید اور تباہ کن بحرانوں کی راہ ہموار کی جاتی ہے اور بحرانوں کو روکنے کے ویلے مزید کم کر دیجئے جاتے ہیں۔“

معیشت کو ٹھوس بنیادیں فراہم کرنے میں ناکامی کے باوجود مقداری آسانی کو کامیابی کا نسبت بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ اور یورپی قیادت برطانیہ اور امریکہ کی ”کامیابی“ کو دیکھتے ہوئے بحران سے دوچار یوروزون کی معیشت کے لئے اس کو لازمی قرار دینے کی گنتگو کرنا شروع ہو گئی ہے۔ تمام راستے بند ہو جانے کے بعد ارباب اختیار اب آخری حرہ بھی آزمائیں چاہتے ہیں۔ تاہم معاملات کو ہتر کرنے میں مدد کی بجائے مقداری آسانی کی پالیسی صورتحال کو مزید عدم استحکام کا شکار کرے گی۔ جیسا کہ انجلی مقدس بھتی ہے کہ ”اس سے بڑا اندر حاکوئی نہیں جو دیکھنا نہ چاہے۔“

### ماہیوں کن اقدامات

بے بسی کے اوقات میں ماہیوں کن اقدامات ہی کیے جاسکتے ہیں۔ سالوں کے بحران میں کئی مہینوں تک دروغ گوئی پر قائم رہنے کے بعد یورپی مرکزی بینک، یوروزون میں مقداری آسانی کو لاؤ کرنے جا رہا ہے۔ تاہم جن تضادات نے یورپ کو مقداری آسانی کی پالیسی اپنانے سے اب

تک باز رکھا وہ ختم نہیں ہوئے اور جن خطوط پر یوروزون کی ٹوٹ پھوٹ ہوگی وہ ابھی سے واضح اور صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ 2008ء کے مالیاتی بحران کے فوری بعد کے عرصے میں یوروزون کی پر انتشار ٹوٹ پھوٹ کے ساتھ سے نپتے کے بعد یورپ کی قیادتیں اپنی میشتوں کو ایک انتہائی کم یا صفر شرح نمو، بے تحاشا اور مستقل پروگرام کے ساتھ قیمتیں کی کی کی دلمل میں پھنستا ہوا پارہی ہیں۔ ایک فوری انہدام کا دھماکہ تو شاید لیکن تمام علامات سے واضح ہے کہ ایک سکھیں بحران اور استرقاری سے گلے سڑ نے کا عمل شروع ہو چکا ہے اور دہائیوں تک یورپ کو ایک معashi جگہ کی مشکلات سے ہٹر پور مدت کا سامنا ہے۔

سب سے زیادہ پریشانی کا سبب بڑھتا ہوا تفیریط زر (Deflation) کا مسئلہ ہے چونکہ عالمی سطح پر تیل کی قیمتیں میں کمی کی وجہ سے یوروزون میں قیمتیں میں کمی آرہی ہے۔ اگرچہ ایندھن اور تو انائی کی لاغت میں کمی صارفین کو کسی حد تک فائدہ پہنچا رہی ہے لیکن تفیریط زر کی قیادتوں کو شدید مشکلات سے دوچار کر رہا ہے۔ ایک جانب تفیریط زر کے باعث حکومتوں کے قرضوں کی حقیقی قدر میں اضافہ ہو رہا ہے اور ایسے وقت میں کہ جب پہلے ہی یونان، ہیکن اور اٹلی جیسے ممالک قرضوں کے جی ڈی پی سے بڑھے ہوئے جنم کو کم اور تناسب کرنے کی تک ودود کر رہے ہیں ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ دوسری جانب تیل کی گرتی ہوئی قیمتیں درحقیقت آخری تک ثابت ہوئی ہیں۔

یورپ میں افراطی زر پہلے ہی زائد پیداواری صلاحیت اور مانگ کی کمی کے دباؤ کی وجہ سے صفر کی سطح کو پہنچا ہوا تھا جو عالمی سطح پر موجودہ مسلسل اور بے پناہ زائد پیداوار اور معashi بحران کی عکاسی ہے۔ درحقیقت تیل کی قیمتیں میں کمی بھی زائد پیداوار کے بحران کی ہی غمازی ہے جو عالمی معیشت کے بحران اور خاص کر چین کی معیشت کی ست روی کے باعث تیل کی عالمی مانگ میں کمی کی وجہ سے گر رہی ہیں۔ جیسے نیویارک یونیورسٹی میں معیشت کا پروفیسر نوریل رو بنی گارڈین اخبار میں لکھتا ہے، ”عالمی معیشت ایک بڑے ہوائی جہاز کی مانند ہے جسے اڑان بھرنے اور بادلوں و طوفان کے بیچ میں اپنی ست درست رکھنے کے لئے اپنے تمام انجمن ٹھیک ٹھاک اور کار آمد چاہیں۔ لیکن پرستی سے اس کے کل چار میں سے صرف ایک انجمن ہی چل رہا ہے۔۔۔ امریکہ

اور برطانیہ کی معیشت۔ اس کا دوسرا انجمن یورپ، 2008ء کے بھرائی کے بعد کمزوری بھالی حاصل کرنے کے بعد دوبارہ رک گیا ہے۔ درحقیقت یورپ بھرائی کے ایک نئے غوطے اور تغیریط زر کی کھائی سے محض ایک قدم کے فاصلے پر ہے۔ اسکا تیسرا انجمن جاپان ایک سال کے مالیاتی اور مانیٹری تکمیل کے باوجود شرح نموکی طاقت سے محروم ہوتا جا رہا ہے اور چوتھا انجمن یعنی انگلینڈ ہوئی معیشتیں تیزی سے ست روی کا شکار ہو رہی ہیں چونکہ چین کی تیز شرح نمو، امریکی فیڈرل ریزرو کی صفر شرح سودا اور مقداری آسانی، اجتناس کی بے پناہ خرید و فروخت پر بنی دہائی سے زیادہ عرصے پر محيط ہوا ہیں جو معیشت کی بڑھوتوں کا باعث تھیں اب اس کے رستے کی رکاوٹ بن چکی ہیں۔ اس لئے اب سوال یہ ہے کہ عالمی معیشت کب تک ایک انجمن کے سہارے اپنی اڑان جاری رکھ سکتی ہے۔“

تاہم بورڈ واژی اور اس کے معاشری مشوروں کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ روایتی طور پر استعمال ہونے والے مالیاتی ضابطوں کے طریقے پر عملدرآمد کرنے کا ای کامنہ دیکھا جا چکا ہے۔ سود کی شرح پاتال کی گہرائیوں کو جھوڑ رہی ہے اور مزید کم نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح کیفیت طرز کے اقدامات کی گنجائش بھی اس لیے نہیں کہ حکومتیں مزید خسارے پر منی اخراجات نہیں کر سکتیں چونکہ پہلے ہی وہ قرضوں کے پہاڑ تلے دبی ہوئی ہیں۔ مختصر یہ کہ سرمایہ داروں کے پاس کوئی طریقہ نہیں اس لئے معاشری ماہرین کو تکچاہٹ کے باوجود یورپ بھر میں مقداری آسانی کی پالیسی کو قبول کرنا پڑ رہا ہے۔ بھرائی سے نکلنے کا ہر حرہ ناکام ہونے کے بعد یہ تعلیم یافتہ (سدھائے ہوئے) خواتین و حضرات اب اپنی تمام امیدیں مقداری آسانی کے ساتھ لگا رہے ہیں کہ اس پر عملدرآمد کے ذریعے وہ ایک جادو گر کی طرح ٹوپی سے اپنا موقع خرگوش نکالنے کے قابل ہو جائیں گے۔ تاہم بہتر وقتوں میں ایسی کسی پالیسی پر ایک منصوبہ بندی اور محفوظ طریقے سے عملدرآمد ایک مختلف بات ہوتی ہے لیکن ایک مشکل صورتحال اور حواس باختی کے عالم میں اس پر عملدرآمد کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی طوفان میں گرے بھری جہاں جس میں بے شمار سوراخ ہو کر پانی اندر داخل ہو رہا ہو اور ملاج بالیوں سے پانی باہر پھینک کر جہاز کو ڈوبنے سے بچانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

ولف گینگ 19 جنوری 2015ء کے فناشل ٹائمز میں اس صورتحال کو درست طور پر یوں

پیان کرتا ہے، ”کچھ ایسا ہو رہا ہے جس کے ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا رہا تھا۔ 16 سال پہلے جن نظریات پر اس کی بنیاد رکھی گئی تھی ان کے خلاف یورپی مرکزی بینک کا یہ ایک بہت بڑا اقدام ہے لیکن یہ اس بات کی بھی عکاسی ہے کہ صورتحال کس حد تک تغیین ہو چکی ہے۔ یہ مقداری آسانی کے ذریعے صورتحال کو خراب ہونے سے بچانے کی کوشش نہیں بلکہ حالات کے بدتر ہونے کے بعد اس کو لا گو کیا جا رہا ہے۔ افراط از رم کی کچھ عرصے قبل کے مقرر کردہ ہدف سے بہت زیادہ ہے۔ اشیاء کے صرف اور ایندھن کے شعبے میں افراط از رم کی شرح منقی ہو چکی ہے اور یورپ کی معیشت مکمل طور پر بیمار معیشت بن گئی ہے۔“

### مقداری آسانی کا کردار

معمول کے اوقات میں پیسوں کا اجر اخافص کر بینکوں کی جانب سے قرضوں کا اجر امعیشت میں ہونے والی عمومی سرگرمی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب کار و باری سرمایہ کاری اور گھریلو صارفین کے اخراجات میں اضافہ ہوتا ہے تو قرضوں کی صورت میں پیسے کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو پیسوں کی رسداگرچہ براہ راست کسی جنس (سونا وغیرہ) یا معاشی ترقی کے اشارے سے براہ راست مسلک نہ بھی ہو تو کم از کم معاشی حقوق سے مر بوط در ہوتی ہے۔

مقداری آسانی کی پالیسی میں نئی بات یہ ہے کہ اب حکومتی مركزی بینکوں کے ذریعے زر کی رسداگرچہ عمل میں براہ راست مداخلت کرتے ہوئے معاشی سرگرمی یعنی سرمایہ کاری اور ہکپت میں اضافے کی کوشش کر رہی ہیں۔ روایتی طور پر مركزی بینک قرضوں پر شرح سود کو کم یا زیادہ کرتے ہوئے قرض کی مانگ میں تبدیلی لاتے ہیں۔ جب شرح سود کم ہوتی ہے تو قرض کی لاگت بھی کم ہو جاتی ہے اس لئے قرض لیکر سرمایہ کاری کرنے کے رجحان کو تقویت ملتی ہے۔ تاہم موجودہ حالات میں شرح سود صفر ہونے کے باوجود کار و باری سرمایہ کاری مکمل طور پر رکی ہوئی ہے۔ صارفین اور کار و باری حضرات کے قرض لینے کے مطالبے کا انتظار کیے بغیر یا براہ راست حکومتی اخراجات (کیشین اقدامات) کے ذریعے معاشی سرگرمی کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی جائے مركزی بینک اب خود منڈی کے سب سے تحرک نمائندے کا کردار اپناتے ہوئے (مصنوعی) نوٹ چھاپ کر بینکوں کے معاشی اٹائے خرید رہے ہیں، خاص کر حکومتی بانڈز یعنی حکومتی قرضے۔

حکومت اس امید کے ساتھ بیکنوں سے یہ اٹاٹے خرید رہی ہے کہ اس سے بیکنوں کو دوسرا سے اٹاٹے مثلاً کمپنیوں کے قرضے خریدنے کی ترغیب ملے گی۔ جس سے پھر کاروباریوں کے لئے قرض کی لاگت کم ہو گی اور سرمایہ کاری میں اضافہ ہو گا۔ اس قسم کی بڑی معاشری سرگرمی قیمتیوں میں اضافے کا باعث بننے کی اور تفریط زر کی جانب بڑھتے ہوئے بحران کو روکنے میں مدد ملے گی۔ پورپ کے علاوہ باقی ترقی یافتہ ممالک کے معاشری اور سیاسی نمائندے پہلے ہی مقداری آسانی پر عمل پیرا ہو چکے ہیں۔ امریکہ میں مقداری آسانی کے ذریعے چھاپے جانے والی نوٹوں کی مقدار ایک وقت میں 85 ارب ڈالر ماہانہ تک جا پہنچی جس سے امریکی فیڈرل ریزرو کے خریدے گئے اٹاٹوں کی مالیت (خسارہ) 4.5 ہزار ارب ڈالر کے قریب ہو گئی ہے۔ برطانیہ میں بینک آف انگلینڈ کے اسی قسم کے اٹاٹوں کی مجمع شدہ مالیت 375 ارب پاؤڈر ہے جبکہ اکتوبر 2014ء میں بینک آف جاپان نے اپنی مقداری آسانی کے پروگرام کو سالانہ 80 ہزار ارب ین (447 ارب پاؤڈر) کی حیثیت کی جس کی حد تک وسعت دینے اعلان کیا۔ اگر اس کو امریکہ، برطانیہ اور جاپان کے سالانہ تجارتی ڈی پی جو کہ بالترتیب 17 ہزار ارب ڈالر، 1.6 ہزار ارب پاؤڈر اور 480 ہزار ارب ین ہے کہ سیاق و سبق کے حوالے سے دیکھا جائے تو مقداری آسانی کی پیرو قوم دیوبیکل ہیں۔

تاہم مقداری آسانی کے ابتدائی نتائج بیکنوں کے مزید امیر ہونے کی صورت میں سامنے آئے جنہوں نے مقداری آسانی کی رقم کو اپنے ذخائر میں اضافے کے لئے استعمال کیا۔ جبکہ عام صارفین کو پرانی بلند شرح سود پر قرضے دیئے جاتے رہے۔ بیکنوں نے بے پناہ منافعے کیا تھے لیکن سرمایہ کاری میں اضافہ نہیں ہوا۔ اسی اشنا میں اگرچہ امریکہ اور برطانیہ کی میکسٹوں میں بڑھوتری نظر آ رہی ہے لیکن یہ خدشہ پایا جاتا ہے کہ مقداری آسانی کے نام پر جاری ہونے والی رقم ان ملکوں سے نکل کر دنیا بھر میں اٹاٹوں کی قیمتیوں میں اضافے اور بلبلوں کو تحقیق کرنے کا باعث بن رہی ہے۔

### بحران کی وسعت، گہرائی اور پراسراریت کی اہمیت

ابھی کل تک یورپی مرکزی بینک یورو زون میں مقداری آسانی کی پالیسی کو اپنانے کی مخالفت پر قائم تھا۔ بنیادی مسئلہ یہ طے کرنے کا تھا کہ اس پالیسی کی قیمت کون ادا کرے گا اور اس

پر عملدرآمد کے خطرات کا سامنا کون کریگا۔ یورپی مرکزی بینک یورو کرنی استعمال کرنے والے مالک کے قومی مرکزی بینکوں، جن میں سے ہر ایک کی اپنی منفرد خصوصیات اور مفادات ہیں، کے رابطہ کار ادارہ ہونے کے ناطے کوئی مکمل آزاد ادارہ بھی نہیں ہے۔

کئی سالوں سے مسلسل معاشی بحران اور بحود میں دھنسے رہنے اور تفریط زر کے فوری خطرات لاحق ہو جانے کی وجہ سے مختلف قومی مرکزی بینکوں کے سربراہان اور خاص کر یورپی مرکزی بینک کے اٹلی نژاد صدر ماریور اسٹریٹ نے نہایت مختلف معاشی کیفیات لیکن مشترک کرنی کے حامل یوروزون میں مقداری آسانی کی پالیسی پر عمل درآمد کا فیصلہ کیا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مقداری آسانی پر عملدرآمد کے ذریعے اس کے نامعلوم نتائج کو دریافت کرنے کا تجربہ کیا جائے۔ توقع کی جا رہی ہے کہ کم از کم 500 ارب (مصنوعی) یورو چھاپے جائیں گے تاکہ یوروزون کے مختلف مالک کے حکومتی بانڈز (قرضے) خریدے جائیں۔ یہ امید بھی کی جا رہی ہے کہ اس سے مختلف مقر و ض مالک کے قرضوں کی لاگت میں کمی سے ان کے قرضوں کا بوجھ پچھہ ہلاکا ہو گا اور اسی کے ساتھ کار و باری سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی عمومی طور معاشری سرگرمی میں اضافے کا باعث بنے گی اور تفریط زر کے خطرے کا مقابلہ کیا جاسکے گا۔ بظاہر تو سب اچھا ہے لیکن گہرائی میں جائیں تو اس میں چھپے خطرات نظر آتے ہیں۔

پہلے تو یوروزون کے مقداری آسانی کے پروگرام کی رقم یوروزون کے جی ڈی پی کے جنم اور بحران کی شدت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ دوسرا بتدائی طور پر اگرچہ 500 ارب یورو چھاپنے کی تجویز زیر گور ہے لیکن یوروزون کی مقداری آسانی کے پروگرام کو طویل عرصے تک جاری رکھی جانیوالی پالیسی کے طور پر اپنانے کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اس لئے دراغی اور یورپی مرکزی بینک کی جانب سے اس قسم کی خانت کے بغیر، چاہے کچھ بھی ہو جائے، یوروزون کے مستقبل اور تحفظ کے حوالے سے ایک بے یقینی کی فضای برقرار ہے گی۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ بے یقینی ابھی بھی موجود ہے کہ اس پروگرام کے خطرناک نتائج کی ذمہ داری کون اٹھائے گا۔ یورپی مرکزی بینک کی تیادت میں مقداری آسانی کے پروگرام کے اجراء کا مقصد یہ ہو گا کہ یونان جیسے ڈوبتے ہوئے مالک کی معیشتتوں کو سہارا دینے کے لئے ان حکومتوں کے بانڈز اور بینکوں کے اٹاٹھے خریدے جائیں۔

لیکن اہم سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ملک یا بینک دیوالیہ ہو جاتا ہے تو پھر کیا ہو گا؟ مالیاتی منڈیاں پہلے ہی خاص کریوناں کے انتخابات میں سائز یا کسی انتخابی فتح اور حکومت میں آنے کی وجہ سے پریشان اور متذبذب ہیں۔ دیوالیہ ہوتیکی صورت میں یورپی مرکزی بینک کی جانب سے خریدے گئے یونانی حکومت کے بانڈز ردی کے کاغذ میں بدل جائیں گے اور پیسے ہمیشہ کے لئے ڈوب جائیں گے۔ کوئی بھی یہ پوچھنے میں حق بجانب ہے کہ اس نقصان کا ازالہ کون کرے گا۔۔۔۔۔

یوروزون کی سب سے طاقتور میഷٹ ہونے کے باعث جرمنی کے پاس اس سوال کا جواب ہے کہ اس نقصان کا ازالہ اسے ہی کرنا پڑے گا۔ اس لیے جرمنی کا حکمران طبقہ اپنے عیاش پڑوسیوں کو ایک کھلا چک دینے کی پالیسی کی حمایت کرنے میں بھکچا ہٹ کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس بات کے امکانات زیادہ ہیں کہ مرکل کے دباؤ کے سامنے دراغی کو جھکنا پڑے اور یہ فیصلہ کیا جائے کہ یورپی مرکزی بینک مقداری آسانی کے تحت کوئی بھی براہ راست خریداری نہیں کرے گا بلکہ مقداری آسانی کے تحت پیسے کا اجر اور خاص کر کونے بانڈ خریدنے ہیں اس کا فیصلہ مختلف قوی مرکزی بینکوں پر چھوڑ دیا جائے۔

عنقریب یہ کہ یورپی مرکزی بینک براہ راست حصہ نہیں بنے گا، نہ کوئی مرکزیت ہو گی اور نہ ہی نقصان میں شرارت دار ہو گا۔ لیکن کسی بھی مشترکہ ذمہ داری کی عدم موجودگی میں جنوبی یورپ کی بحراں زدہ میഷتوں کی مدد کے لئے کون راضی ہو گا؟ دانشمندانہ اور محفوظ شہری ہو گا کہ جرمنی کے بانڈ خریدے جائیں لیکن جرمنی تو پہلے ہی کسی لاگت کے بغیر قرض لے سکتا ہے۔ اس قسم کی مقداری آسانی کا سب سے زیادہ فائدہ انہیں ہو گا جنہیں اس کی سب سے کم ضرورت ہے اور جو قریب المrg ہیں انہیں سک سک کے مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔

### قوی ریاست کی تنگ حدود

یوروزون میں ایک مربوط و منظم مقداری آسانی کی پالیسی کے اطلاق میں موجود کا وہ میں ابھی تک باقی ہیں۔ سب سے بڑی اور بنیادی رکاوٹ قوی ریاست ہے جس کی محمد دہیت پیداواری قوت کی ترقی کے پاؤں میں بھاری بھر کم پیڑی بن پچلی ہے۔ اپنے آغاز میں ہی یورپ کی تکمیل ایک ناکام منصوبہ تھا۔ جیسا کہ مارکسیوں نے اس کی تکمیل کے وقت وضاحت کی تھی کہ منفرد

خصوصیات کی حامل قوی میشیں جو متفاہستوں میں مختلف رفتاروں سے حرکت کر رہی ہوں اور جن میں سے ہر ایک کی اپنی قوی بورڈوازی اور مخصوص مفادات ہوں انکو سرمایہ دارانہ بنیادوں پر تحد کرنا ممکن ہے۔ قرضوں کے پھیلاؤ کے ذریعے معاشی بڑھوٹی کے عہد میں جو 2008ء کے عالمی معاشی بحران کے آغاز تک جاری رہا یہ تمام تقاضات اور خاصیتیں سٹھ کے نیچے دبی رہیں۔ تاہم اس معیاری تبدیلی کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ یورپ کے اتحاد اور یورو کا منصوبہ بنیادی طور پر بڑے سرمایہ داروں کی ضروریات اور مفادات کی تکمیل کا نتیجہ تھا (اور ہے)۔ بحران سے پہلے اپنے آغاز میں یورپ اور جرمنی کی بورڈوازی کا مشترکہ منصوبہ تھا لیکن سال 2000ء سے جرمنی نے محنت کش طبقے کی اجرتوں میں کٹوپوں کے ذریعے جرمن سرمایہ داری کی سابقی صلاحیت اور طاقت میں بے پناہ اضافہ کیا جبکہ اسی عرصے میں فرانس یورپ کا مردی پمار بنتا گیا جس کی وجہ سے برلن اب تمام اختیارات کا مرکز بن چکا ہے۔

بحران سے پہلے سب کچھ تمام موجود امکانات سے بھی زیادہ بہتر لگ رہا تھا۔ گپو (PIIGS) ممالک یعنی پرتگال، آئر لینڈ، اٹلی، یونان اور سین پر محيط میشیں سے قرضے حاصل کر کے داخلی کھپت میں اضافے اور عوامی تعمیراتی منصوبوں کو چلانے کے لیے رقم فراہم کر سکتی تھیں جبکہ جرمن سرمایہ داران ممالک کو کی جانے والی برآمدات کے ذریعے بے پناہ منافع کا رہے تھے۔ تاہم بحران نے گپو ممالک کی معاشی ترقی کی ناپائیدار فطرت کو آشکار کرتے ہوئے ان میشتوں کی کمزوری کو واضح کر دیا۔ ان ممالک کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یورو کی مالیاتی ضابطوں کی یونین میں ہونیکی وجہ سے اس کمزوری کے خاتمے کا واحد طریقہ ”داخلی قدر میں کمی“ یعنی اجرتوں، عوامی خدمات اور محنت کشوں کے معیار زندگی میں کٹوپوں کے ذریعے ممکن ہے۔ یہی وہ قیمت ہے جو اب جرمنی جنوبی یورپ کے ان کمزور میشتوں کے حال ممالک سے یورپی یونین میں شمولیت کو برقرار رکھنے کے لئے مانگ رہا ہے۔

### لوٹ کے بغیر چوروں کا ٹولہ

تمام سیاسی قائدین اس بات پر متفق ہیں کہ یورو کو ٹوٹنے سے بچانے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہیے۔ لیکن جو نبی اس کی قیمت ادا کرنے کی بات کی جاتی ہے تو اچاک تماں قیادتیں

غائب ہو جاتی ہیں۔ بورڈوازی کا غول منتشر ہو جاتا ہے اور تمام ترقیت ادا کرنے کے لیے یورپ بھر کا محنت کش طبقہ باقی رہ جاتا ہے۔ چوروں کے ایک ٹولے کی طرح تو می بورڈوازی کے نمائندے صرف اس وقت تعاون کے لیے تیار ہوتے ہیں جب لوٹ کے مال کی فراوانی ہو لیکن جو نہیں مال کی مقدار کم ہوتی ہے یہاں کوئی ایک دوسرے کے لگائے کامنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

بورڈوازی کے تمام ترمیحہ اور ذمہ دار نمائندے مایوسی میں سر جوڑ کر بیٹھے، یوروزون کو بچانے کے لیے ایک مشترک کوشش کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن ڈاکوؤں کا ایک ٹولہ کیسے کوئی مشترکہ کوشش کر سکتا ہے جب ان میں سے ہر ایک صرف اپنے آپ کو چانے کی تک و دوکر ہا ہو۔ جرمان نے یورپ کے منصوبے میں موجود مرکزی تقاضات کو واضح کر دیا ہے۔ آغاز سے ہی یورپی یونین اور یورپ کی تشكیل سے حاصل ہونے والے تمام فائدوں کو جرمنی کا حکمران طبقہ بغیر کوئی قیمت ادا کیے خود تک محدود کرنے کی کوشش کرتا آیا ہے۔ لیکن تقاضات نہ صرف موجود رہے بلکہ مسلسل شدت اختیار کرتے رہے۔ سب سے بڑھ کر یہ تضاد کہ یورپی یونین کو برقرار رکھنے کے لیے کیا کرنا ضروری ہے اور جرمن حکمران طبقہ یہ قیمت ادا کرنے کے لیے کس حد تک تیار ہے۔ حالیہ اختلافات برلن اور یورپی مرکزی بینک کے درمیان بڑھتے ہوئے تباہ کو سطح پر لانے کا باعث بنے ہیں۔ ایک جانب مرکل ہے جو کہ کسی قسم کا خطہ مول لینے یا ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے تو دوسری جانب دراغی ہے جو یورپ بھر کی بورڈوازی کے قوسط سے پورے چہاز کو ڈوبنے سے بچانے کی بیکار کوشش کر رہا ہے۔ آخری تحریکیں میں خزانے کے مالک کافی صدھی ہی ہوتا ہے اور جو پیسہ خرچ کرتا ہے مرضی بھی اسی کی چلتی ہے۔ یورپ کے جرمان کے تمام ترعرع سے میں مرکل اور جرمن مرکزی بینک ہی بحث اور مباحثے کی شرائط اور پالیسیوں کا فیصلہ کرتے آئے ہیں جو جرمن سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے اکٹھائی پالیسیوں پر عمل درآمد کرتے آئے ہیں جو مجموعی طور پر یوروزون کے لیے انتہائی جاہ کن ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے جرمن حکمران طبقے نے مالیاتی یونین کی تنگ حدود اور حقیقی فطرت کو عیاں کر دیا کہ اس منصوبے کا مقدمہ ہی یورپ پر جرمنی کے معاشی غلبے کا حصول ہے۔ اب جرمن یہ کہتے ہیں کہ وہ یورپی مقداری آسانی کے پروگرام کے خطرات مول لینے کے پابند نہیں ہیں۔ جیسے بی بی سی کا معاشی ایڈیٹ پر تبصرہ کرتا ہے کہ ”اس قسم کے دو

غلے پن پر منی موقف (نقضات میں شراکت کے بغیر مقداری آسانی کا پروگرام) ایک بار پھر جتنی کی جانب سے اپنے بیمار پڑوسیوں کی مدد سے انکار کے مظہر کا حیران کن انٹھار ہے۔ اس سے سرمایہ کاروں کا یورڈ کے مجرم مالک کے مجران سے نکلنے کی الیت پر اعتماد بحال نہیں ہو سکے گا۔ ان کا یوروزون میں سرمایہ کاری کرنے سے اجتناب مزید بڑھے گا اور یوں یوروزون اور اس کے اثاثے دنیا کے بڑے سرمایہ داروں کے لیے کم سے کم دلچسپی کا باعث رہیں گے۔“

### برلن کا انکار

کفایت شعار اور سخت گیر جمن معافی اور مالی حوالوں سے اپنے عیاش اور غیر مدد دار جنوہ پڑوسیوں کے مسائل کو ختم کرنے کے لیے مجوزہ پالیسیوں میں کسی لچک کا مظاہرہ نہیں کر رہے۔ اس لیے مرکل یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ یورڈ کے مجران کو ختم کرنے کے لیے اپنا ای جانیوالی مقداری آسانی یا کسی بھی دوسرے اقدام کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ یونان، پین، اٹلی اور فرانس میں بھی کٹوٹیوں اور ”ساختی اصلاحات“، جو عوامی بہبود کے منصوبوں پر ہونے والے اخراجات میں کسی اور محنت کش طبقے پر حملوں کی پالیسی ہے، ترک کر دی جائے۔ فناش ٹائمز 19 جنوری 2015ء کو لکھتا ہے، ”زیادہ تر جمن یہ یقین رکھتے ہیں کہ یوروزون کے معافی طور پر بیمار مجرمان کے مسائل کا حل مقداری آسانی کے ذریعے ممکن نہیں۔ ان میں سے کچھ کا خیال ہے کہ اس پر عمل درآمد مشترک کرنی کے مالیاتی استحکام کے لیے خطرے کا باعث ہے، مزید کچھ جمن یہ کہتے ہیں کہ مالیاتی ضابطوں میں چھوٹ سے کمزور ریاستوں کو زیادہ مالی گنجائش میسر آئے گی جس سے قرضوں اور اخراجات میں کسی کا تکلیف دہلیکن ضروری عمل ملتی ہو جائے گا۔“

تاہم مرکل یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ یورپ کی کمزور میشتوں کے پاس سرمایہ دارانہ بنیادوں پر ”مسابقت کی صلاحیت بحال کرنے کا“، سوائے مسلسل کٹوٹیوں کے اور کوئی راستہ نہیں۔ بعض سیاستدانوں اور معیشت دانوں کی توقعات کے عکس مقداری آسانی نہ تو کوئی جادوئی حل بن سکتی ہے اور نہ بننے گی۔ جیسا کہ رابرٹ پشن لکھتا ہے کہ ”مقداری آسانی بستر مرگ پر پڑے مریض کو مصنوعی آسیجن فراہم کرنے کے متادف ہے۔ یہ خطے کے بیانی معافی مسائل اور بیمار یوں کا حل نہیں۔“

”مقداری آسانی کی اہمیت کو مبالغہ آرائی سے نہیں پیش کرنا چاہیے۔ یہ یوروزون کی معیشت کے لیے درود کم کرنے کی دوڑے ہے جسے پیداوار کو برداشت کرنے والے تغیریط زر کا واضح اور فوری خطرہ لاحق ہے۔ لیکن جب تک یوروزون کی حکومتیں اپنے مالی معاملات کو درست نہیں کرتیں اور اپنے نجی شعبے کی مسابقتی اور مقابلہ بازی کی صلاحیت کو بہتر نہیں کرتیں یہ خطے معاشری طور پر لا غیر اور لا چارہ ہی رہے گا۔“ کٹوتیوں اور ”ساختی اصلاحات“ کا عمل بھی اضادات سے لبریز ہے۔ مرکل کا پیغمبا ر میں کٹوتیوں کا مطالبه بنیادی طور پر اسی منڈی کو سکیز نے کاموجب بن رہا ہے جس کی جرمی کی بآمدات کو ضرورت ہے۔ سالوں تک جرمن سرمایہ داروں کے اپنی سرحدوں کے اندر موجود زائد پیداوار کے مسئلے کو باقی یورپی ہمماںک میں جرمی کی اجتناس کی کھپت کے لیے ایک منڈی تخلیق کر کے حل کرنے کی الیت حاصل کیے رکھی جو جرمی کے پیغماں سے کم شرح سود پر قرض لے کر یہ اجتناس خریدتے رہے۔ وہ تمام عناصر جو ماضی میں جرمن معیشت کو پہنچوڑی دیتے آئے ہیں اب اپنے الٹ میں تبدیل ہو کر اس کی گراوٹ کا موجب بن رہے ہیں۔ یوکرائن کے بحران اور روں کے ساتھ تناوا کے اثرات کے تحت جنوبی یورپ کی کٹوتیوں کی پالیسی کے نتیجے میں گرتی ہوئی مانگ نے جرمی کو بحران کے دھانے پر پہنچادیا ہے۔ ایک جانب ”مسابقت کی صلاحیت“ کا کردار واضح طور پر نسبتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ملک ”ساختی اصلاحات“ پر عملدرآمد کے ذریعے دوسرے ملک کے مقابلے میں اپنی ملکی سرمایہ داری کو بہتر بنانے لے لیکن جب تک ایک عالمی مقابلہ بازی موجود ہے، جہاں کچھ جنتے والے ہوں گے وہاں ہارنے والے بھی ہوں گے۔ اور ایک دوسرے کو بھکاری بنانے کی اس دوڑ میں سب سے زیادہ نقصان عالمی محنت کش طبقے کا ہی ہو گا۔

### سرمایہ داری کے تحت کوئی راستہ نہیں!

آخری تجزیے میں یوروزون کے مسائل عالمی سرمایہ داری کے بحران کی عکاسی ہیں جس کی جگہ زائد پیداوار یعنی عالمی سطح پر موجود زائد پیداواری صلاحیت میں پوسٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ داری کی سب سے دور اندریش عذر خواہ اب ایک متواتر جمود (Secular stagnation) کی پیشین گوئی کر رہے ہیں۔ یقینی طور پر مالیاتی ضابطوں پر مبنی اتحاد نے یورپ کے بحران کو نہ صرف شدید تر کر دیا ہے بلکہ قومی ملکی مخصوصوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور سیاسی

قیادتیں کسی بھی دوسرے خطے کی نسبت زیادہ تجھی سے جگڑی ہوئی ہیں، تاہم یورو کا بحران درحقیقت سرمایہ داری کا بحران ہے۔

یہ یورو زون میں یا اس سے باہر مقداری آسانی یا "سامختی اصلاحات" کے نفاذ کا مسئلہ نہیں بلکہ اس وقت تک معاشری بحالی یا کٹوتیوں کی پالیسی کے خاتمے کے کوئی امکانات نہیں ہیں جب تک یورپ کے لوگوں پر سرماۓ کی آمریت مسلط رہے گی۔ ہر جگہ پر عالمی معیشت ایک بحران سے دوسرے کی طرف لڑھکتی جا رہی ہے۔ عدم استحکام اور ناپاسیداری صورتحال کا خاصہ بن چکی ہے۔ یہاں تک کہ سوئزرلینڈ جسے یورپی سرمایہ داری کے پ्रانتشار بحران کے دور میں بھی معاشری تحفظ، طمانیت اور استحکام کا پر امن جزیرہ سمجھا جا رہا تھا اب بحران کی جانب گامزن ہے۔ سوکس نیشنل بینک اپنی کرنی سوکس فرانک کی قدر کو یورو کی قدر کی ایک خاص حد کے ساتھ مستقل طور پر مسلک کر کے مسلسل یورو خرید رہا تھا تاکہ فرانک کی کم تر قدر کو عارضی طور پر برقرار رکھ کر سوکس صنعت کی مسابقت کی صلاحیت کو بڑھایا جاسکے۔ اب اس عمل کو مزید جاری رکھنے میں ناکامی کا اعتراض کرتے ہوئے سوکس نیشنل بینک نے کرنی مسلک رکھنے کے عمل کو ترک کر دیا ہے جس کی وجہ سے یورو کے مقابلے میں فرانک کی قدر میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے جھٹکے عالمی معیشت میں طلاطم پیدا کر رہے ہیں۔ اس عمل کی وجہ سے ہونے والے نقصان کی میلت ابھی واضح نہیں ہے لیکن اربوں ڈالر کے نقصان کا خدشہ ہے۔ لیکن اس کے سب سے اہم اثرات ایک انہائی نازک صورتحال میں بے یقینی میں بے پناہ اضافے کی صورت میں ہر آمد ہو رہے ہیں۔ بڑھتے ہوئے قومی تناؤ کے اس عہد میں مرکزی بینکوں نے اپنی جس طاقت کا مظاہرہ کیا ہے اس پر سوالات اٹھائے جا رہے ہیں اور مقداری آسانی کے مختلف پروگراموں کے ذریعے مرکزی بینکوں کی منڈی میں مداخلت نے امثالوں کے جس بلیڈ میں ہوا بھری ہے وہاب پریشانی کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ اس سب سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سرمایہ داری اپنی فطرت میں ایک خلنشار سے بھر پورا اور پر انتشار نظام ہے جسے نہ تو کسی ضابطے میں لا یا جا سکتا ہے اور نہ ہی کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ صرف پیداوار کی ایک جمہوری منصوبہ بندی کے ذریعے عالمی سطح پر موجود بے پناہ پیداواری صلاحیت کو سماج کے شوری کنٹرول میں لا یا جا سکتا ہے۔

عالیٰ معیشت کی پریشانیوں میں اضافے کا ایک سبب جاپان ہے۔ جس کی معیشت اس ماہ کے آغاز میں غیر متوقع طور پر بحران کا شکار ہوئی ہے۔ 1990ء کی دہائی کے ابتدائی عرصے میں ہونے والے انہدام اور گراوٹ کے بعد 20 سال تک جاپان کی معیشت جہود کا شکار رہی۔ بعداز جنگ کے معاشر عروج کے دوران جاپان نے غیر معمولی ترقی کی۔ دوسری عالیٰ جنگ کے دوران جاپانی صنعت مکمل بر باد ہو گئی تھی، اس کی دوبارہ تعمیر انتہائی جدید تکنیک اور سینا لوبی کی بیانیاد پر کی گئی جس سے مینو فیچر جنگ کو بے پناہ تقویت ملی۔ تیزی سے پھیلتی ہوئی عالیٰ تجارت کے دوران جاپان نے خود کو سر کردہ سابقی برآمدی ملک ثابت کیا اور جاپانی کمپنیوں کی بنی ہوئی اجنسیاں بہت زیادہ مقبول ہوئیں۔ بے پناہ سرمایہ کاری کے باعث جاپان دنیا کی دوسری بڑی معیشت بن کر ابھر اتا ہم بالآخر عالیٰ منڈی کا پیانہ لبریز ہو گیا اور 1980ء کی دہائی میں منافع بخش سرمایہ کاری کے موقع کم ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے باوجود بینکوں نے مالی حالت سے قطع نظر تجارتی اداروں اور قرض خواہوں کو قرض دینے کا عمل جاری رکھا۔ اس سے اٹاٹوں کی قیتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ جس کا ان کی حقیقی قدر سے کوئی تعلق نہیں تھا اور یوں ایک دیوبیکل مالیاتی بلبلہ تیزی سے پھولنا شروع ہو گیا۔ لیکن 1990ء کی دہائی میں جب جاپانی حکومت نے قیاس آرائی پر مبنی قیتوں میں اضافے کو کم کرنے اور اٹاٹوں کے بلبلہ کی ہوانکاری کی کوشش کی تو سب کچھ تاش کے پتوں کے گھر کی مانند وہڑام سے گر گیا۔ مالیاتی اداروں کی میرزاں ڈوبے ہوئے قرضوں سے بھر گئی جنہیں نیل آؤٹ کیا گیا اور کئی بینک "زندہ لاش" (Zombie Bank) بن کر رہ گئے۔ یہ ایسے بینک تھے جن کے اٹاٹوں کی مالیت صفر ہو گئی تھی لیکن حکومت کی جانب سے ان کے واجبات ادا کرنے کی ضمانت کی وجہ سے باقی رہے۔ یہ بینک نہ زندہ تھے نہ مردہ۔ اس کے باوجود بینکوں نے جاپان کے بڑے کاروباری اداروں کو یہ کہتے ہوئے قرض دینے کا عمل جاری رکھا کہ یہ اتنے دیوبیکل ہیں کہ کبھی منہدم نہیں ہو سکتے اور یوں نیم مردہ بینکوں کی طرح کئی کمپنیاں بھی نیم مردہ ہو گئیں۔

تب سے جاپان کے حکمران معاشر بڑھوڑی کو بحال کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ معیشت کو چالو رکھنے کے لئے جاپان نے دنیا کے سب سے زیادہ قرضے اٹھائے جو اس کے جی ڈی پی کے 230 فیصد کے قریب تھے۔ 2008ء کے معاشر بحران سے مزید متاثر ہونے کے بعد

2012ء میں شزو ابے کو جاپانی معیشت کی ترقی کو بحال کرنے کے تین نکاتی پروگرام کی وجہ سے دوبارہ وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔ اس تین نکاتی پروگرام میں ریاستی اخراجات، مقداری آسانی کے ذریعے مالیاتی پھیلاؤ اور ساختی اصلاحات شامل ہیں۔ پچھے عرصے کے لئے یہ ابے کی نام نہاد معیشت بظاہر کا میاب نظر آئی۔ یہ کی قدر میں کمی سے برآمدات میں اضافہ ہوا جس سے منافع بھی بڑھے۔ تاہم بڑی کمپنیوں نے قدیماً کو دوبارہ سرمایہ کاری یا اجرتوں میں اضافے کے ذریعے کمپت میں اضافے کے لیے استعمال کرنے کی بجائے تجویز میں محفوظ کر لیا۔ باقی دنیا کی طرح ہی بڑے کاروباری اداروں کی جانب سے نقدر قوم کی ذخیرہ اندو زی اور سرمایہ کاری میں کمی عالمی سطح پر موجود بے پناہ زائد پیداوار کی علامات ہیں۔ حال ہی میں جاپان میں 'Consumption'، لیکن میں اضافہ وہ آخری تنکا ثابت ہوا جس نے اونٹ کی کمر توڑ دی۔ اس اضافے سے صارفین کی مانگ میں کمی آنے کے باعث معیشت دوبارہ بحران کا شکار ہو گئی۔ اگر ان حالات کی 2008ء کے عالمی بحران اور اس کے نتیجے میں عالمی معیشت کے گلنے سڑنے کے عمل سے کوئی پراسرار مثالٹ نظر آتی ہے تو ایسا واقعی ہے۔ بے پناہ بلند و بالا عمارات، تیز رفتار ریلوو کے نظام اور تکنیکی مہارت کے حامل جاپان کو کثر سائنس فکشن کی یوپیاٹی سرز میں سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب ہم جاپانی معیشت کی صفر شرح خموکی حامل گزشتہ دہائی کے حالات پر نظرڈالتے ہیں تو اس میں ہمیں پوری دنیا کے آینوالے تباہ حال مستقبل کا عکس جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک معاشی جودا اور انحطاط کا مستقبل۔

### یورپ پر بہوت منڈلار ہاہے

جب کیمرون ”خطرے کی سرخ بیوں“ کے بارے میں لکھ رہا تھا اٹلی کی معیشت دوبارہ بحران میں ڈھنگی اور جرمن معیشت میں گزشتہ سماں میں تقی شرح خمو کے بعد اس سہ ماہی میں نجیف ترین 0.1 فیصد شرح خمو ریکارڈ کی گئی۔ جمیوی طور پر یورپوزون کی معیشت کو ایک نہ ختم ہونے والے لٹھراو اور جمود کا سامنا ہے۔ جب کہ امریکہ کو یہ خوف ہے کہ جاپان کا زوال، چین کی ست روی اور یورپ کا جمود کرا مرکی کی معیشت کو بھی بحران کی کھائی میں دھکیل دیں گے۔ (OECD) معاشی تعاون اور ترقی کی تنظیم) جو ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ممالک کا ایک فورم ہے نے بریجن میں

ہونے والی حالیہ 20-G کی میٹنگ سے پہلے ہی یہ لکھ دیا تھا ”عالیٰ معیشت کی سست روی جاری ہے، عالیٰ تجارت کا پھیلاوہ بھی کم تر سطح پر ہے اور دنیا بھر میں خی تجارتی اداروں کی سرمایہ کاری تاحال رکی ہوئی ہے۔“

ولف گینگ فناشل نائمنز جریدے میں لکھتا ہے ”آن یوروزون کے پاس خود کو ایک گہرے بحران میں دھنسنے سے محفوظ رکھنے کا کوئی طریقہ نہیں اور مایوسیوں کا سلسلہ یوروزون کی مکمل ناکامی کی وضاحت نہیں ہے بلکہ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ایک متواتر جمود حاوی رہنے کے زیادہ امکانات ہیں اور میرے خیال میں ناکامی کو جانچنے کا بھی اصل پیمانہ ہے۔“

حکمران طبقہ کواب تک ”متواتر جمود“ کے ”معمول“ کا شدید خوف لاحق ہے یعنی دہائیوں پر محیط انہیٰ کم شرح نہیں، کٹوتیوں اور گرتے ہوئے معیارِ زندگی پر محیط عرصہ جیسے گارڈین اخبار کیونسٹ میں فشو کے ابتدائی الفاظ کو تھوڑے رو بدل کے ساتھ استعمال کرتے ہوئے لکھتا ہے ”اُس (کیسریوں) کا انتباہ ہینک آف انگلینڈ کے گورنر مارک کیرنی کے اس دعوے کے چند دن بعد سامنے آیا جب اس نے کہا تھا کہ یورپ پر جمود کا بھوت منڈل اراہا ہے۔ آئی ایم ایف کی میٹنگ ڈائریکٹر کریں لیگارڈ نے بریئن میں ہونیوالی 20-G کی میٹنگ میں اپنے خوف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کم شرح نہیں، بے روزگاری اور مسلسل بڑھتے ہوئے قرضے اب شاید یورپ کا نیا معمول ہیں۔“

ای سے ملتے جلتے خدشات کا اظہار فناشل نائمنز کے معماشی ایڈیٹر مارٹن ولف اور اکاؤنٹسٹ جریدے نے بھی کیا کہ ہمیں جس معماشی بحران کا اس وقت سامنا ہے وہ دہائیوں پر محیط ایک طویل عمل کا نتیجہ ہے جس کے دوران حقیقت میں مانگ کو مصنوعی طور پر برقرار رکھنے کے لئے قرضوں پر انحصار کیا گیا اور دوسری جانب پیداواریت (Productivity) کو بڑھانے کے لیے کی جانیوالی سرمایہ کاری میں مسلسل کی کے باعث مکنہ پیداوار کرنی رہی۔

بحران سے پہلے کے عرصے میں موجود مانگ کے معیار کو برقرار رکھنا اس لیے ممکن نہیں تھا کیونکہ اس کا انحصار بہت بڑی مقدار میں مجتمع شدہ خی اور سرکاری قرضوں پر تھا جس کے اثرات مغض بحران کے بعد کے خساروں کی صورت میں برا آمد نہیں ہوئے بلکہ بحران سے پہلے موجود قرضوں کے ذریعے پیدا کردہ مانگ کے معیار دوبارہ حاصل کر سکنے کی الہیت بھی ختم ہو گئی۔ بحران

سے پہلے موجود مانگ کے معیار کو برقرار نہ رکھنے کے پیچے عالمی عدم توازن، آمدن کی تقسیم میں تبدیلی اور ساختی طور پر کمزور سرمایہ کاری جیسے حرکات کا فرماہیں۔

اس کی ایک علامتِ نجی شعبے میں بے پناہ مالیاتی قدری زائد کا ناسور (بے پناہ منافع اور کم سرمایہ کاری) ہے جیسا کہ یورپ اور جاپان کی صورتحال ہے۔

دوسری وضاحتیں بھی آبادی کے تناوب میں تبدیلیوں، پیداواریت کی بڑھوتری میں گراوٹ اور سرمایہ کاری میں کمی کو مکمل شرح نمو کے حصول میں ناکامی کی وجہات قرار دیتی ہیں۔ تاہم ولوف ڈیمانڈ سائیڈ اور سپلائی سائیڈ کے مسائل و مشکلات کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے ”لیکن اپر پیش کی جانیوالی وضاحت کا براہ راست انحراف ایک دوسرے لکٹے پر ہے۔ اگر سپلائی میں جاری مکمل اضافہ کم ہوتا ہے تو کھپت اور سرمایہ کاری میں کمی ہو جائے گی جس سے انہائی نحیف مانگ اور شرح نمو حاصل ہوگی۔ اگر مرکزی بینک اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ملبے بننا شروع ہو جاتے ہیں اور اگر وہ اس کا سامنا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سپلائی کی نمو میں گراوٹ حقیقت کا روپ دھار لے گی۔“ اس سب کا نتیجہ یہ ہے کہ سیاست دان کوئی بھی فیصلہ کن قدم اٹھانے میں خود کو بے بس محسوس کر رہے ہیں۔ صورتحال کو بہتر کرنے کے لئے جو قدم بھی اٹھایا جاتا ہے وہ غلط ہوتا ہے۔ ایک جگہ لگی ہوئی آگ کو بھانے کی کوشش میں وہ شعلوں کو بھڑکانے اور پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔ آخری تجویزے میں حکمران طبقہ اس بنیادی تضاد کو حل کرنے کی الیت سے محروم ہے جو تضاد عالمی معیشت کو زوال میں دھکلنے کا باعث بن رہا ہے۔ یہ تضاد عالمی سطح پر موجود بے پناہ زائد پیداوار ہے جس کی موجودگی پیداواری قتوں میں سرمایہ کاری روکنے کا باعث بن رہی ہے۔ جو تحقیقی معاشی بڑھوتری کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔

اسی وجہ سے 20-G کے اجلاس میں عالمی قیادت بہتری کا کوئی قابل ذکر وعدہ یا اعلان بھی نہیں کر سکی جیسا کہ فائل نامہ نے 16 نومبر 2014ء کو لکھا ہے کہ ”اس قسم کے اجلاسوں میں اکثر ایے وعدے کیے جاتے ہیں جو کچھ پورے نہیں ہوتے۔“

ولوف لکھتا ہے ”انہائی اقدامات اور پالیسیوں کے بے اثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ معیشتیں بہت گہرائی تک بحران سے متاثر ہو چکی ہیں اور ان کی بیماری بہت شدید ہے۔ یہ صرف کم سپلائی کا

مسئلہ نہیں لیکن یہ مانگ کی کمی کا مسئلہ بھی نہیں اور نہ ہی بے پناہ قرضوں کے بوجھ یا مالیاتی جھلکوں کا مسئلہ ہے بلکہ ہر معیشت کے اپنے مختلف ممکن شدہ ناسور ہیں۔ ”دوسرے خطوں میں عالمی سطح پر ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ایک یادوسرے ملک کا علیحدہ، کچھ مخصوص ایک یادوسری قسم کی وجوہات کی وجہ سے پیدا ہونے والا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ہم جو دیکھ رہے ہیں وہ عالمی سرمایہ داری کا حرجان ہے، ایک باہم مر بوط نظام کا عمومی بحران۔ یہ درست ہے کہ بحران مختلف خطوں میں مختلف طریقوں سے اپنا اظہار کر رہا ہے جس کا اختصار ہر ملک کی اپنی مخصوص کیفیات پر ہے۔ اس طرح بحران یکساں انداز اور ایک ہی رفتار سے ہر جگہ نہیں پھیل رہا بلکہ اس کی بجائے ہم احاطات کا ایک مشترک اور نہ ہموار عمل دیکھ رہے ہیں جس میں بحران مختلف و قتوں میں مختلف خطوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجودہ نہیں عالمگیر بحران، وجود اور احاطات کا عمومی راجحان دکھائی دے رہا ہے۔

شرح سود کو مصنوعی طور پر کم رکھا گیا تاکہ معاشی بڑھوتری کی حوصلہ افزائی کی جاسکے۔ برطانیہ میں شرح سود 300 سال کی کم تر سطح پر ہے اور اگلے عرصے میں بھی بڑھنے کے کوئی امکانات نہیں۔ تمام بڑے سرمایہ دارانہ ممالک میں شرح سود تقریباً صفر کے قریب ہے۔ اس کی ماشی میں کوئی نظری نہیں ملتی اور اسی سے پی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ بحران ماشی قریب کے بحرانوں سے معیاری طور پر کس قدر مختلف ہے اور اس کی شدت اور گہرا ائی کس قدر زیاد ہے۔

اب یورپی مرکزی بینک اس حد تک جانے کی دھمکی دے رہا ہے جہاں آج تک کوئی مرکزی بینک نہیں گیا، یعنی پیداواری سرگرمی کو بڑھانے کے لئے بنیادی شرح سود کو صفر سے نیچے لا یا جائے یا منفی کیا جائے۔ ظاہر یہ خیال عجیب لگتا ہے کہ اب لوگوں کو بینکوں میں اپنی بیشتر رکھنے کا معاوضہ ادا کرنا پڑیا گا لیکن یہ اس بات کی عکاسی ہے کہ ہم کتنے مختلف اور غیر رواتی عہد میں زندہ ہیں۔ 1998ء میں جیران کن طور پر دیوالیہ ہو جانے والے یعنی فنڈ لامگ ٹرم کمپنیل منجمنٹ کے سابق جزل کوئی جیمر چڑھ کی شائع ہونیوالی کتاب کے مطابق ہم پہلے ہی ایک نئی کساد بازاری کے عہد میں داخل ہو چکے ہیں۔ رچڈز کے خیال میں امریکہ ایک ایسے کوہ پیا کی مانند ہے جو پہاڑ پر چڑھتے ہوئے 28 ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچ چکا ہے اس کی ایک جانب گلیشیر کی گہری کھائی ہے تو دوسری جانب اُنچی کھصور چٹان ہے۔ اس پیے اوپر چڑھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے لیکن واپسی یعنی

مقداری آسانی کے خاتمے کا مطلب ہے 2009ء میں جس تکلیف دہ گروٹ سے بچا گیا تھا اس کا سامنا کیا جائے۔

یہ موازنہ بالکل درست ہے وہ جو بھی کریں گے غلط کریں گے۔ اب ان کی تقدیر ان کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ آئی ایم ایف اور OECD نے مزید اعتماد کیا ہے کہ سرمایہ دارانہ دنیا اگر دہائیوں کے لیے نہیں تو کم از کم سالوں کے لیے کم تر شرح ترقی اور بے پناہ بیرون گاری کے دور کی جانب لڑھک رہی ہے اور یہ کیفیت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ حکومتیں بڑے پیمانے پر ساختی اصلاحات نہیں کرتیں۔ بحران زدہ شرح نمو اور پہلے سے موجود 5 کروڑ بے روزگاروں کے ساتھ ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ممالک کے اس سے بدتر کیفیت میں جانے کی روپورث سامنے آ رہی ہیں۔ موجودہ بے روزگاری ماضی کی طرح کسی عارضی کردار کی حامل نہیں۔ یہ محض گردشی بے روزگاری نہیں بلکہ ایک مستقل بے روزگاری ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے زوال کا سب سے بھیساںک اظہار ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام دیوالیہ پن اور بیماری کی ان حدود کو چھوڑ رہا ہے کہ جہاں یہ اپنے دامن میں موجود پیداواری قتوں بیشول انسانی محنت کو بھی تصرف میں لانے کے قابل نہیں رہا۔ سرمایہ داری کے آغاز میں اگر فاقہ کش اور جاہل مزدور مشینیں توڑ دیتے تھے تو آج سرمایہ داروہ بدمعاش (Luddites) ہیں جو مشینوں کو بردا کر رہے ہیں اور لوگوں کو کسی عارضی اقدام کی بجائے مستقل طور پر روزگار سے محروم کرتے جا رہے ہیں۔ طویل المدى پیروزگاری ہر جگہ ایک بڑھتا ہوا ناسور نہیں جا رہی ہے۔ سرمایہ دار اب نہایت ڈھنائی کے ساتھ ایک ”نئے مشینی دو“ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، سارث ٹیکنا لو جی کا دور جس میں بڑے پیمانے کی ملازمتیں ختم ہو جائیں گی اور پیروزگاری کے تکلیف دہ طوفان آئیں گے، اجرتوں میں کمی ہو گی اور معیارِ زندگی میں مسلسل گروٹ ہو گی۔ یہ ایسا بھیاںک خواب ہے، جو سرمایہ داری نظام اپنی قریب المرگ حالت میں نسل انسانی پر مسلط کرنے کے درپے ہے۔

### کلاسیکل اتار چڑھاؤ

ٹرائسکی نے 1930ء کی دہائی میں عام گردشی بحران جو اپنے آغاز سے اس نظام کی لازمی فطرت کا حصہ ہیں اور مجموعی طور پر اس نظام کے ”نامیاتی بحران“ کے درمیان موجود فرق کی نہایت

اہم وضاحت پیش کی تھی، معاشری عروج وزوال کا گردشی چکر سرمایہ دارانہ نظام کی فطری روانی کا حصہ ہے۔ جیسے نفس کے عمل کے دوران آسیجن جسم کے اندر کھینچتی جاتی ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کی جاتی ہے ویسے گردشی اتار چڑھاؤ سرمایہ داری کے تحت پیداوار اور تبادلے کی گردشی طرز کے عمل پرستی ہونے کی وجہ سے ناگزیر ہوتے ہیں۔

فریڈرک اینگلز نے اپنی کتاب ایٹھی ڈو ہر گٹ میں اس معمول کے عروج وزوال کے گردشی چکر کی شاندار وضاحت کی تھی، ”بڑے پیانے کی صنعت میں موجودہ پھیلاو کی بے پناہ طاقت کا گیسوں میں پھیلاو کی صلاحیت کیسا تھا موازنہ ایک پچگانہ کھیل لگتا ہے۔ یہ طاقت اب مقداری اور معیاری پھیلاو کے حوالے سے ایک ضرورت کے طور پر سامنے آ رہی ہے اور اپنے مدد مقابل آئیوا لے کسی بھی دباؤ کو خاطر میں نہیں لاتی۔ یہ مخالف دباؤ اس بڑے پیانے کی صنعت کی پیدا کر دے اجناں کی منڈی میں فروخت اور چھپت کی گنجائش سے جنم لیتا ہے۔ لیکن منڈی کے پھیلاو کی صلاحیت کو، اندر اور باہر سے، بالکل مختلف اور کم اثر پذیر قوانین برداشت کثروں کرتے ہیں۔ منڈی کے پھیلاو اور وسعت کی رفتار پیداوار کی بڑھوتوں کی رفتار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے ٹکڑا اور تصادم ناگزیر ہو جاتا ہے اور چونکہ اس سے بچنے کا کوئی راست نہیں سوائے اس کے کہ سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات کو ہی اکھاڑ کر پھینکا جائے اس لئے یہ تصادم و قفقے سے بار بار ہوتے رہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ پیداوار ایک گھناؤ نے گھن چکر کو وجود میں لے آتی ہے۔۔۔

”کئی سالوں تک جمود جاری رہتا ہے، پیداواری طاقتوں اور کی گئی پیداوار کو بڑے پیانے پر اعتمانہ طریقے سے تباہ و بر باد کیا جاتا ہے، اس وقت تک کہ جب مجتمع شدہ اجناں کو پیداواری لاغت یا اس سے بھی کم قیمت پر فروخت نہیں کیا جاتا، اور اس وقت تک کہ جب پیداوار اور تبادلے کا عمل دوبارہ سے بذریع شروع نہیں ہو جاتا۔ پیداوار کی رفتار جیسے جیسے بذریع بڑھتی ہے اس میں تیزی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ صنعت میں آئیواں تیزی ایک تیز دوڑ میں بدلتی ہے اور یہ دوڑ پھر صنعتی، تجارتی، ترضیوں اور قیاس آرائیوں کی رکاوٹوں والی دوڑ میں بدلتی ہے اور بالآخر مشکل رکاوٹیں پھلا کنٹیں کے بعد یہ سب کچھ دھڑام سے گڑھے میں گرجاتا ہے اور یہی سارا عمل بار بار دہرا یا جاتا ہے۔“

عروج وزوال کے چکر کی یہ شاندار وضاحت ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت ترقی اس گروہی چکر کی طرز کا اس لئے اپناتی ہے کہ اس میں پیداوار کی فطرت پر انتشار نویعت کی ہوتی ہے اور ہمیشہ پیداوار کھپٹ کی تنگ حدود سے تجاوز کر کے اس سے ٹکرانا شروع کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اینگلز نے وضاحت کی ہے کہ کھپٹ کے قوانین کی نسبت پیداوار کے قوانین زیادہ طاقت کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں۔ عروج کے ادوار میں ہونے والی بے پناہ سرمایہ کاری اجتناس کی اتنی بھاری مقدار کو پیدا کرتی ہے کہ ایک مخصوص سطح پر یہ سماج کی ان اجتناس کو خریدنے کی الہیت سے بہت زیادہ ہو جاتی ہیں جس سے زائد پیداوار کا بحران جنم لیتا ہے یعنی پیداواری مقاصد میں استعمال ہونیوالی مشینری وغیرہ اور اشیائے صرف دفعوں قسم کی اجتناس کی زائد پیداوار کا بحران۔ سرمایہ دارانہ بحران کا مقصد اس زائد پیداوار سے چھٹکارا حاصل کر کے نئے عروج کی راہ ہموار کرنا ہوتا ہے۔ سرمایہ داری کے تحت آنے والے ہر عروج کے طبق میں ایک نئے بحران کے شیع موجود ہوتے ہیں۔

کمیونسٹ میں فشو کے مصنفوں نے وضاحت کی تھی کہ ”ان بحرانوں میں ہر بار صرف تیار مال کا ہی نہیں بلکہ پہلے سے تخلیق شدہ پیداواری قوتوں کا بھی ایک بڑا حصہ برپا کر دیا جاتا ہے۔ ان بحرانوں میں گویا ایک دبایی پھیل جاتی ہے۔ زائد پیداوار کی دبایی پہلے کے تمام زمانوں میں ایک انہوںی معلوم ہوتی۔“ سرمایہ داری سے پہلے کے سماجوں میں ضرورت سے کم پیداوار کے بحرانات کے برکس زائد پیداوار کے بحرانات صرف سرمایہ دارانہ نظام کا ہی خاصہ ہیں۔ زائد پیداوار منڈی کے تضادات اور سماج کی باہم متصادم طبقات میں منقسم حالت سے جنم لیتی ہے۔ محنت کش طبقہ ہر قسم کی قدر کا خالق ہونے کے باوجود خود اپنی پیدا کردہ اجتناس نہیں خرید سکتا اور ایک خاص سطح پر اس کی وجہ سے مزید معاشی ترقی کا عمل رک جاتا ہے جس سے بحران جنم لیتا ہے۔

محنت کش طبقے کی محنت کے استعمال سے حاصل کی گئی قدر زائد سے دوبارہ سرمایہ کاری کر کے اور نئی منڈی تخلیق کر کے سرمایہ دار اس نیادی تضاد کو عارضی طور پر دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاہم اس کے باعث زیادہ بڑی پیداواری صلاحیت تخلیق ہوتی ہے جو آئینا لے بحران کی شدت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ جیسا کہ مارکس نے وضاحت کی ہے، ”استعمال کرنے والے حالات اور اس استعمال کے ثمرات حاصل کرنے والے حالات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ یہ صرف

زمان و مکان کے حوالے سے مختلف ہوتے ہیں بلکہ نظریاتی حوالے سے بھی مختلف ہیں۔ استحصال کرنے کا انحصار سماج کی پیداواری قتوں تک محدود ہے جبکہ اس کے ثمرات کے حصول کا پیداوار کے مختلف شعبوں کے باہمی توازن اور سماج کی تصرف کی صلاحیت پر ہے۔ اس کا تعین نہ تو پیداوار کی مطلق طاقت سے ہوتا ہے اور نہ تصرف یا کھپت کی مطلق طاقت سے بلکہ تقسیم کے خاصمانہ حالات کے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے کھپت یا تصرف کی طاقت سے۔ یہ سماج کی وسیع آثریت کی تصرف کی صلاحیت کو کم ترین سطح پر لا کر انتہائی تگ حدود کے اندر مقید رکھ کر ہوڑایا زیادہ تبدیل ہو سکنے کا اہل بنادیتی ہے۔ لیکن پیداواری صلاحیت جتنی زیادہ بڑھتی ہے اتنا ہی کھپت کی تگ بنیادوں کے ساتھ متصادم ہونے لگتی ہے۔” (مارکس، سرمایہ، جلد 3 صفحہ 352-353)

مارکس لکھتا ہے ”اگر قرض کے ذریعے پروان چڑھنے والے دھوکہ دہی پہنچی کاروباروں اور قیاس آرائیوں پر فنی سودے بازیوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اس طرح بحران کیوضاحت صرف پیداوار کے مختلف شعبوں میں عدم توازن اور سرمایہ داروں کی اپنی کھپت اور ان کے اجتماع دولت کے درمیان موجود عدم توازن کی کیفیات کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پیداوار میں دوبارہ سرمایہ کاری کا انحصار بڑی حد تک غیر پیداواری طبقات کی تصرف کی صلاحیت پر ہے چونکہ مختلف کش طبقات کی تصرف کی صلاحیت ایک کم ترحد کے اندر ہی مقید رہتی ہے، جزوی طور پر اجر قتوں پر لا گو ہونے والے قوانین کی وجہ سے اور جزوی طور پر اس حقیقت کے باعث کہ انہیں صرف اس وقت تک روزگار میسر رہتا ہے جب تک ان کا روزگار سرمایہ دار کے لئے منافع بخش ہو۔ تمام بحرانات کی جتنی وجہ ہمیشہ غربت کے باعث عوام کی محدود تصرف کی صلاحیت ہوتی ہے۔ سرمایہ دارانہ پیداوار جب بھی پیداواری قتوں کو ترقی دینے کی ترغیب دیتی ہے اس کا سامنا ہر بار سماج کی مطلق تصرف کی صلاحیت سے ہو جاتا ہے۔“ (مارکس، سرمایہ جلد 3 صفحہ 615)

ہم نے 09-2008ء میں زائد پیداوار کا اسی قسم کا بحران دیکھا جب سرمایہ دارانہ معیشت ایک تباہ کن گراوٹ کا شکار ہوئی۔ دہائیوں تک ہر حرba استعمال کر کے وہ بحران کوٹائے میں کامیاب رہے جس کے باعث شدت میں اضافے کے ساتھ بالآخر سرمایہ داروں کو بحران نے آگھیرا۔ باڈشاہ کنیٹ (Canute) کی طرح وہ طوفان کو روکنے کے قابل نہیں تھے۔ غالی تجارت چند

مہینوں میں 30 فیصد کم ہو گئی اور صنعتی پیداوار میں تیزی سے گراوٹ آئی۔ بحران کے آنے کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن سب سے نمایادی وجہ یہ ہے کہ سنتے قرضوں کے بے پناہ پھیلاؤ کے باوجود پیداوار سماج کی نصرت کی صلاحیت سے تجاوز کر چکی تھی اور سماج عالمی منڈی میں آنسو والی تمام اجناس کو نصرت میں نہیں لاسکتا تھا۔

### قرض کا نظام

یقیناً قرض سرمایہ داری نظام کو کچھ وقت کے لئے اس کی تنگ حدود سے باہر نکلنے میں مدد دیتے ہیں لیکن صرف اس وقت تک کہ سارا ڈھانچہ دھڑام سے گرنہیں جاتا۔ قرضے خلامیں نہیں پیدا ہوتے بلکہ سود سیست و اپکرنے پڑتے ہیں۔ ہر دوسری چیز کی طرح اس کی بھی اپنی ایک حد ہوتی ہے۔ جیسا کہ مارکس نےوضاحت کی تھی ”اگر تجارت میں بے پناہ سے بازی اور زائد پیداوار کا انحصار قرض پر بڑھتا جائے تو ایسا اس لیے ہوتا ہے، کہ پیداوار کے فطری طور پر چکدار عمل کو اس کی انہائی حد تک کھینچا جا سکتا ہے۔ قرض تضادات اور بحران کے دھماکے سے چھٹنے کے عمل کو تیز تر کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ پرانے ذرائع پیداوار کو تخلیل کر دینے والے عناصر کو بھی۔“ (مارکس، سرمایہ، جلد 3، صفحہ 752)

عروج وزوال کی معمول کی گردش پرانے زخموں کی وجہ سے ایک عجین شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ابھار کے عہد کے برعکس زوال کے عہد میں سرمایہ داری کا نظام تنفس، تنفس زدہ اور ناقابل کنٹرول ہو کر دمے کے مریض کی طرح ہائپنے لگتا ہے۔ نتیجتاً بھالی کا عمل زیادہ تکلیف دہ اور سچھیف ہو جاتا ہے اور ماضی میں ہونے والی بھالی کے معیار تک نہیں پہنچ پاتا۔ سرمایہ داری کا بڑھتا ہوا جو داس کی 1950ء اور سنہری دور کے معیار کی شرح نمود، منافع خوری، سرمایہ داری یا پیداوار یہت حاصل کرنے کی نااہلی سے عیاں ہے۔ اس کے بعد کی ہر دہائی کے دوران نمود کی شرح میں مسلسل گراوٹ آئی ہے۔ 1950ء کی دہائی میں عالمی تجارت جس نے پیداوار میں اضافے کے ذریعے عروج کی اٹھان میں کلیدی کردار ادا کیا سالانہ 12.5 فیصد کی شرح سے بڑھتی رہی۔ بحران سے پہلے کے عرصے میں 1990ء اور 2000ء کی دہائی کے دوران یہ شرح کم ہو کر 6 فیصد تک پہنچ چکی تھی۔ گز شستہ سال ”بھالی“ کے چوتھے برس میں یہ 2.1 فیصد تک گزر گئی تھی اور دوبارہ نہیں بڑھ پا رہی۔ ہر

طرف حاوی ستر و روی اور کمزوریوں کی موجودگی میں یہ برجان کن نہیں ہے۔ بلکہ یہ سرمایہ داری کو لاتھ نامیاتی برجان کی عکاسی ہے۔ بیمار نظام کی متاثرہ شریانیں مکمل طور پر بنند ہوتی جا رہی ہیں۔ دہائیوں تک عالمی تجارت کا پھیلاؤ عالمی معاشی بروصوڑی کے مقابلے میں دو گناہ فارسے ہوتا رہا۔ 25 سال تک چلنے والے بعد از جگ کے عروج کی کلید یہی تھی۔ لیکن 2008ء کے برجان کے نتیجے میں منہدم ہونے والی عالمی تجارت ابھی تک کمزور اور نحیف ہے۔ اس کے باعث بورڑا و معاشرت دانوں کے مابین یہ بحث چھڑ گئی ہے کہ کیا بالآخر عالمگیریت کا خاتمہ ہونے کو ہے۔ آئی ایم ایف نے اس سال 3.6 فیصد کی شرح سے عالمی تجارت کے پھیلاؤ کی پیشین گوئی کی ہے جبکہ عالمی تجارتی تنظیم نے 4.7 فیصد شرح سے اس میں اضافے کا دعویٰ کیا ہے لیکن واضح دکھائی دے رہا ہے کہ یہ تمام دعوے حد سے بڑی ہوئی رجائیت پرستی ہیں۔ عالمی تجارتی تنظیم کو مجبوراً یہ انتہا کرنا پڑا ”جزرفافیٰ اور سیاسی خطرات نے اس ہدف کے حوالے سے بیقینی کے نئے عناصر کا اضافہ کر دیا ہے۔“ لندن کے ایک تجربیاتی ادارے ڈیلٹا اکنامکس نے عالمی تجارت میں اضافہ موجودہ مالیت کے پیانے کے مطابق مخفی 1 فیصد سے ہونے کی پیشین گوئی کی ہے۔ ڈیلٹا اکنامکس کی چیف ایگزیکٹو بیکا ہارڈنگ نے کہا ”2014ء بھی تجارت کے لیے کوئی اچھا سال نہیں ہو گا۔“ ”بھائی“ کے پانچ سالہ عرصے کے بعد بھی یہ انتہائی نازک صورتحال کی تصویر ہے جو عالمی سرمایہ داری کے مکمل جمود کی عکاسی ہے جیسا کہ دو عالمی جنگوں کے درمیانی عرصے میں تھا۔ عالمگیریت اپنی آخری حدود کو پہنچ چکی ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا تھا کہ عالمگیریت اب سرمایہ داری کے عالمی برجان کے ذریعے اپنا انہصار کر رہی ہے۔ 1930ء کی دہائی میں ریاتی تحفظاتی پالیسی پر عملدرآمد نے عالمی تجارت کو نچوڑ کر دکھادیا تھا لیکن آج ایسا کم از کم کھلے عام نہیں ہو رہا۔ اگرچہ ہر سطح پر ڈھکے چھپے انداز میں رکاوٹیں اور سیسڈیز موجود ہیں، جو چین، امریکہ اور یورپ کی باہمی تجارتی کنکشن میں اضافے کا باعث بن رہی ہیں۔ کرنی کی قدر میں ہیرا پھیری کا معاملہ بھی زور پکڑتا جا رہا ہے خاص کر 2014ء میں چینی کرنی کی قدر میں کمی کرنے کے باعث امریکہ کی چین پر گرج بر سر بڑھ رہی ہے۔ ”کرنیوں کی جنگ“ کی گفتگو بھی اب سطح کے قریب ہے۔ تحفظاتی رجان سرانجام ہے ہیں، اور زوال کے الگ مرحلے پر کھل کے سامنے آ سکتے ہیں۔

عالیٰ معیشت کی بنیادوں میں دیویکل تبلیغات رونما ہو رہی ہیں۔ گزشتہ چھ ماہ میں تیل کی قیمتوں میں ڈرامائی انداز میں کمی ہوئی ہے۔ خام تیل (بریٹٹ) کی قیمت 60 ڈالرنی یول سے پہنچ آچکی ہے۔ جون میں 115 ڈالرنی یول کے مقابلے میں یہ گراوٹ 50 فیصد ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ بحران کے ایک نئے دور کے آغاز کا اعلان ہے جس کے اثرات دنیا بھر میں محسوس کئے جائیں گے۔

آئی ایم ایف کی کرشین لیگارڈ نے اسے ”عالیٰ معیشت کے لیے اچھی خوبی“، قرار دیا ہے۔ لیکن کیا واقعی یہ درست ہے؟

تیل کی قیمتیں کم ہونے کا مطلب ہے کہ صارفین کی بچتوں میں اضافہ ہو گا جس سے مانگ بڑھے گی اور نام نہاد ”بھائی“ کو مزید تحریک ملے گی۔ درحقیقت تیل کی قیمتوں میں کمی ایک زیادہ پیچیدہ تصویر کا حصہ ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ عالیٰ معیشت خاص کر چینی معیشت کی ست روی ہے۔ ایسا زائد پیداوار کے عالمگیر بحران کی وجہ سے ہے جو چین میں تاریخ کی سب سے بڑی ریاستی مداخلت کی وجہ سے کچھ عرصے تک ظاہر ہیں ہوا۔ 2009ء میں 586 ارب ڈالرنی خلیق رقم ریاستی امدادی پیچ کے ذریعے معیشت میں جھوٹی گئی تاکہ پیسے کو چلتا رکھا جاسکے۔ انفارسٹرکچر کی تعمیر کے بڑے منصوبے شروع کر کے روزگار کی شرح کو برقرار رکھا گیا اور سرمایہ کاری کو جذب کیا گیا۔ چین کی اس کمیشنزم کی مہم کے اثرات اب ختم ہو رہے ہیں اور جی ڈی پی کی شرح نمودست ہو کر 7 فیصد کے قریب ہے۔ جاپان اور یورپ جو چینی برآمدات کی دو بڑی منڈیاں ہیں ان کی معیشتیں زوال پذیری کا شکار ہیں اور خریداری میں کمی آ رہی ہے۔ جس کے چین کی پیداوار پر بتاہ کن اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ عالیٰ معیشت کی ست روی سرمایہ داری کے بحران میں ایک نئے مرحلے کے آغاز کا اشارہ ہے لیکن اس کی جزیں گزشتہ عرصے میں پیوست ہیں۔ تیل کی قیمتوں میں گراوٹ کی ایک وجہ خاص کر شیل تیل کی صنعت کی ترقی سے ہونے والا رسید میں اضافہ بھی ہے۔

شیل تیل کو نکالنے کا طریقہ کار مہنگا اور پیچیدہ ہے جسے 2008ء کے بعد از بحران کے عرصے میں خاص کر امریکہ میں ترقی دی گئی۔ 2010ء کے بعد 20 ہزار نئے کنوں تعمیر کیے گئے جو تیل پیدا کرنے والے سرکردہ ملک سعودی عرب کے مقابلے میں دو گناہیں۔ اس نئے شعبے کی

تعمیر کے لیے درکار سرمایہ کاری 2008ء کے کریش کے بعد عالمی سطح پر مجنون ہونے والے بے پناہ سرمائے کی وجہ سے میر آئی۔ ”زاند پیداواری صلاحیت“ کی وجہ سے سرمائے کی ایک دیوبھل مقدار جی شعبے سے باہر مواقع کی متلاشی تھی اسی لیے کفایت شعاری، کٹو ٹیوں اور بحران کے عہد میں بھی شاک مار کیس اور سامان قیش کی خریداری کا عروج نظر آیا۔ والی حوالے سے ناقابل عمل تکمیل جا نے والی شیل تیل کی نئی صنعت کی تعمیر کے لیے بھی سرمایہ میر آگیا۔ تاہم ریاستی اخراجات کو مسلسل جاری رکھ کر چین نے تیل کی مانگ کو برقرا رکھا جس کی وجہ سے تیل کی قیمتیں بڑھتی رہیں اور شیل کی صنعت میں سرمایہ کاری بھی بے پناہ منافع بخش اور پر کشش ہو گئی۔ اس عرصے میں امریکی شیل تیل کی صنعت کی پیداوار میں ایک تہائی اضافہ ہوا جو 90 لاکھ بیرون روزانہ ہو گئی۔

## تجارتی جنگ

امریکہ میں تیل کی پیداوار میں اضافے سے اوپیک کے سر براد ملک سعودی عرب کے ساتھ تجارتی جنگ و چھوٹ گئی۔ 2014ء کے موسم گرمائی عالمی معیشت کی ست روی کے باعث تیل کی قیمتوں میں کمی آنا شروع ہوئی تو سعودی عرب نے پیداوار کو 3 کروڑ بیتل روزانہ سے کم نہ کرنے کا طریقہ کا اختیار کیا۔ سرمایہ داری کے تحت ہر اس نئے شعبے میں سرمایہ کار دا خل ہوتے رہتے ہیں جس کی مانگ موجود ہوا اور جس سے زیادہ منافعوں کے حصول کی امید ہوتی ہے۔ تاہم نئے آنے والے پیداوار کی جدید تکنیک سے لیس مسابقتی برتری کی بنیاد پر داخل ہوتے ہیں۔ بڑھتی ہوئی پیداوار کے باعث قیمتوں میں کمی آتی ہے تو سب سے جدید پیداواری تکنیک کے حامل سرمایہ دار منڈی ہٹھیا لیتے ہیں۔

اگرچہ شیل تیل کی تلاش جدید تکنیک کی نیاد پر کی جا رہی ہے لیکن یہ ابھی تک تیل نکالنے کا بہت مہنگا طریقہ ہے۔ اس کی پیداواری لاگٹ روایتی طریقہ کی پیداواری لاگٹ سے بہت زیادہ ہے اس لیے پہلے سرمایہ کار اس شعبے میں سرمایہ کاری کرنے سے پچھا رہے تھے۔ ”اوپیک کی منظم کردار“ قیمتوں میں کمی روایتی طریقوں سے کی جانے والی پیداوار کی لاگٹ سے بھی نیچے آگئی ہے لیکن یہ نئے آنے والے امریکی کھلاڑی ہیں جو بر باد ہوتے جا رہے ہیں۔ سعودی شعوری طور پر شیل تیل کی صنعت کو تباہ کرنے پر تلتے ہوئے ہیں۔ اوپیک کے ایک ممبر ملک کویت کے وزیر تیل علی

اعمیر نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ پیداوار کو موجودہ سطح پر قائم رکھنے کا مقصد منڈی میں اپنا حصہ، قرار کھنا ہے بیشک اس کی وجہ سے قیتوں پر فتنی اثرات ہی کیوں نہ پڑیں، اوپک مختصر مدت کے نقصانات کی قیمت پر بھی یہ کرنے کو تیار ہے۔ سعودی اپنے 1750 ارب ڈالر زر مبادلہ کے ذخیرہ اس تجارتی جگہ کو جتنا کے لیے استعمال کرنے کا منصوبہ بنارہے ہیں۔ سعودی عرب کی 85 فیصد برآمدات تیل پر مشتمل ہیں۔ موڈیز کے مطابق اتنے بے پناہ ذخیرے کے باوجود تیل کی قیمت 60 ڈالر تک آنے کا مطلب ہے کہ مالیاتی خسارہ جی ڈی پی کے 14 فیصد کے برابر ہو گا۔ اس کا مطلب ہے کہ 2011ء میں حکومت کو عرب انقلاب کے دباؤ اور خوف کی وجہ سے شروع کیے جانے والے سماجی بہبود کے کئی پروگراموں پر حملہ کرنے پڑیں گے۔

### عالمی تعلقات

یہ صرف معاشی جدوجہد نہیں ہے بلکہ عالمی سیاسی طاقت کا کھیل ہے۔ شیل تیل کی صنعت کی ترقی سے عالمی منڈی میں تیل کی پیداوار میں امریکہ کے حصے میں اضافے سے تو اتنا کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کا سعودی عرب پرانچار کم ہوا ہے اور یہ بات سعودی شاہوں کو پسند نہیں آئی۔ اوپک کے دو ممبر مالک ایران اور ویزویلانے، جنہیں اپنے بجٹ متوازن کرنے کے لیے تیل کی قیتوں میں بے پناہ اضافے کی ضرورت ہے، سعودی عرب سے تیل کی پیداوار کو 3 کروڑ یوں روزانہ سے کم کرنے کی بھیک مانگی ہے۔ لیکن سعودی خطے میں اپنے روابطی تحریف ایران کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ امریکہ نے حال ہی میں ایران کے ساتھ نیا معاشرہ شروع کیا ہے اور داعش کے خلاف اپنا اتحادی بنالیا ہے۔ سعودی امریکہ اور ایران کے بیچ پھوٹ ڈالنے کے لیے ایران کی معیشت کو مفلوج کرنے کے درپے ہیں جسے اپنے بجٹ کو متوازن کرنے کے لیے تیل کی قیمت 140 ڈالر فی یوں کے قریب چاہیے۔ اسی طرح امریکی شیل تیل کی صنعت کو برباد کر کے وہ امریکہ کو دوبارہ اپنے اثر و رسوخ کے دائرے میں لانا چاہتے ہیں۔

10 دسمبر کو ایرانی صدر روحانی نے اپنی کامینہ کوتیا کہ ”اس کی اصل وجہ کچھ مالک کی خطے اور اسلامی دنیا کے مفادات کے خلاف سیاسی سازش ہے اور اس کا فائدہ چند اور مالک کو ہو گا۔“

فائل ٹائمز 9 دسمبر کو لکھتا ہے، ”یہ درست ہے جیسا کہ سعودی احتجاج کر رہے ہیں کہ نہ تو وہ

اور نہ ہی اوپیک کا ادارہ قیتوں کا تعین کر سکتا ہے۔ لیکن سعودی تیل کی گرفتی ہوئی قیتوں کو روکنے کے لیے بالکل کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ صرف احتجاج کر رہے ہیں۔ مسروپ نہیں کہ تیل پیدا کرنے والے ممالک کے کارٹیل نے، جس کو سعودی کنٹرول کرتے ہیں، گزشتہ ماہ کے اجلاس میں تیل کی پیداوار کو کم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ تمبرٹک سعودی پہلو سے لبریز منڈی میں تیل کی سپلائی کی مقدار کو بڑھا رہے تھے۔“

اس سے لگتا ہے کہ سعودی ایک محتاط کھیل کھیل رہے ہیں۔ فائل ٹائمز کے مطابق ایک سینٹر سعودی الہکار نے موسم گرمایں امریکی سیکرٹری آف اسٹائٹ جان کیری کو بتایا عراق میں ایرانی حمایت یا فتح شیعہ اسلامی پارٹی ”دعوۃ“ (Da'wa) کی حکومت کی امریکی حمایت کا ہمارا جواب داعش ہے۔ اوپیک کی قیادت میں ہونے والی قیتوں کی جگہ سعودی عرب کی کامیابی بنتی جا رہی ہے۔ 8 دسمبر کو اکانومسٹ جریدے نے پیشین گوئی کی کہ شیل تیل پیدا کرنے والی بے شمار کمپنیاں دیوالیہ ہو جائیں گی کیونکہ وہ جتنا منافع لکارہی ہیں اس سے زیادہ نئے کنوں تغیری کرنے پر خرچ کر رہی ہیں۔

قیتوں کی جگہ عمومی طور پر بھی تیل کی صنعت کو متاثر کر رہی ہے۔ اوس پیش رویم اور گلزارچ پیش رویم جیسی بے پناہ مقروض تیل پیدا کرنے والی کمپنیوں نے 2015ء میں سرمایہ کاری کرنے کے منصوبے میں بڑی کٹوتیوں کا اعلان کیا ہے۔ کانکو فلپس نے اپنے اگلے سال کے اخراجات میں 20 فیصد کی کا اعلان کیا ہے۔ انجی اسٹیکلش نامی مشاورتی ادارہ کہتا ہے کہ اگر موجودہ قیتوں سے آغاز کیا جائے تو عالمی تیل کی پیداوار کا 12 فیصد اب منافع بخش نہیں رہے گا۔ 16 دسمبر کو فائل ٹائمز جریدہ انتباہ کرتا ہے کہ ”گولڈ مین ساکس کے مطابق خام تیل کی قیمت 60 ڈالر کی سطح تک آنے کے باعث مستقبل میں تیل کے منصوبوں پر خرچ کی جانے والی ایک ہزار ارب ڈالر کی خطیر رقم ڈوبنے کے خطرات سے دوچار ہے۔“ گولڈ مین کے انتباہ کے مطابق 23 لاکھ یوں روپاٹہ تک پیدا کرنے والی آئیل فیلڈ 2020ء تک منافع بخش نہیں رہے گی اور اس تجھیئے میں شیل تیل کی پیداوار شامل نہیں ہے جس کی پیداواری لاگت بہت زیادہ ہے۔ گزشتہ 6 ماہ کی مدت کے دوران 15 فیصد کم ہوئے ہیں جبکہ اسی عرصے میں شیوران کے حصہ میں 26 فیصد اور کانکو فلپس کے حصہ میں 26 فیصد کی آئی ہے۔

## عالیٰ معیشت میں تناؤ

شیل اور کلی طور پر تیل کی صنعت سے باہر بھی تیل کی قیتوں میں گراوٹ عالیٰ معیشت کے تناؤ کو سامنے لانے کا باعث بن رہی ہے۔ چین پر بھی اس کے ملے جلے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ تیل پیدا کرنے والا دنیا کا چوتھا بڑا امک ہونے کا باوجود اس کی توانائی کی ضروریات اتنی زیادہ ہیں کہ چین تیل درآمد کرتا ہے۔ گزشتہ دہائی کے دوران تیل کی روزانہ پیداوار میں 7 لاکھ 50 ہزار بیتل کا اضافہ ہوا ہے جبکہ اسی حصے میں تیل کی کھپت میں 37 لاکھ بیتل کا اضافہ ہوا جو حالیہ حصے میں چینی سرمایہ داری کی بے پناہ ترقی کی عکاسی ہے۔

چین کے اندر وہی تضادات شدت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ تیل کی قیمت میں کمی سے خام مال پیدا کرنے والے اندر وہی علاقوں کو نقصان ہو رہا ہے جبکہ مینہ فیکچر گنگ کرنے والے ساحلی علاقے جو بڑے پیمانے پر تیل استعمال کرتے ہیں انکو فائدہ ہوا ہے۔ اس سے پولائزیشن بڑھ رہی ہے اور کچھ صوبائی حکومتوں کے بجھ پر دباؤ میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سائبیریا سے ماحقہ شمال مشرقی صوبے ہلائیں جیا گنگ جہاں ملک کی سب سے بڑی آئش فیلڈ بھی ہے، میں پہلے ہی اساتذہ کی ہڑتاہیں ہو چکی ہیں۔ صوبائی حکومتوں کی آمدی میں کمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اجر توں میں اضافہ نہیں کر پائیں گی جس سے طبقاتی جدو جہد تیزتر ہو گی۔ روس کی 75 فیصد برآمدات تیل اور گیس پر مشتمل ہیں اور اس کی بجٹ آمدی کا نصف بھی اسی ذریعے سے حاصل ہوتا ہے۔ روی سرمایہ داری کے بھرائی نے حکومت کو مجبور کیا ہے کہ بیرون ملک سرمائی پر ٹکس لگائے اور اپنی بورڑوازی کے اس حصے پر حملہ کرے جو روس کی کمزور اور نازک معیشت سے اپنا سرمایہ نکانا چاہتے ہیں۔ فناشل ٹائمز نے 19 نومبر کو لکھا، ”اس مہم کی ضرورت شدید ہو گئی ہے کیونکہ مغرب کی جانب سے لگنے والی معاشی پابندیوں، تیل کی قیتوں میں کمی اور کرنٹ کی گرفتی ہوئی قدر کی وجہ سے سرمایہ تیزی سے ملک سے باہر جا رہا ہے اور ریاستی خزانہ خالی ہوتا جا رہا ہے۔“

روی مرکزی بینک نے پیشین گوئی کی ہے کہ اس سال 128 ارب ڈالر سرمایہ ملک سے باہر پرواز کر گیا۔ جو 2013ء کے مقابلہ میں دو گناہے۔ جون سے نومبر تک روپی روبل کی قدر میں 27 فیصد کی آئی۔ 16 دسمبر کو روپی روبل کی قدر ڈالر کے مقابلے میں 20 فیصد کم ہو گئی جو

1998ء کے بعد ایک دن میں ہونے والی سب سے بڑی گراوٹ ہے۔ تیل کی برآمدات پر انحصار کرنے والے مالک کی کرنیوں کی قدر میں گراوٹ تیل کی قیتوں میں حالیہ کمی کا وجہ سے ہے۔ اس گراوٹ کے معنی ہیں کہ اس سال ڈالر کے مقابلے میں روبل کی قدر آدمی رہ گئی ہے۔ جس سے روبل کی کارکردگی یوکرائن کی کرنی ریونیا (Hryvnia) سے بھی بدتر ہو گئی ہے۔ روکی حکومت نے افراطی زر اور کرنی کی گرتی ہوئی قدر کروکرنے کی کوشش میں شریح سود کو 17 فیصد تک بڑھادیا ہے۔ روکی مرکزی بینک نے انتہا کیا ہے کہ اگر تیل کی قیمتیں 60 ڈالر پر برقرار رہتی ہیں تو اگلے سال روکی جی ڈی پی 4.7 سے 4.5 کے 4.7 فیصد تک سکڑ جائے گا۔ روبل کی قدر میں کمی کی نے روکی بینکوں اور کپنیوں کے 600 ارب ڈالر کے قرضوں کے بوجھ کو مزید بڑھادیا ہے جو انہوں نے غیر ملکی ہیوں (قرض خواہ) کو ادا کرنے ہیں۔ یوکرائن پر لڑائی کی وجہ سے لگائی جانے والی پابندیوں کا مطلب یہ ہے کہ قرض ادا کرنے کی مالی مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔ سال کے اختتام تک افراطی زر 10 فیصد تک پہنچنے کے امکانات ہیں۔

میکسیکو نے 2015ء میں تیل اور گیس کے 169 بلاکس پہنچنے کا فیصلہ کیا ہے۔ 2008ء کے بھرائی کی وجہ سے ریاست کے دیوالیہ ہونے کی ایک علامت سرمایہ کاری کے لیے درکار وسائل فراہم کرنے کی نا اہلیت بھی ہے۔ اور دوسری جانب مالیاتی سرمائی کا حکومتوں پر بڑھتا ہوادباً و کہ ریاستی اٹھاؤں کو برپائیو یا نائز کیا جائے۔

نجی شعبے کے منافع پہنچنے ہونے کی وجہ سے سرمائی کا ایک بڑا حصہ بیکار پڑا ہے، جس کی وجہ سے سرمایہ داری پہلے سے زیادہ لچائی ہوئی نظر وں سے ان ریاستی اٹھاؤں کی جانب دیکھ رہی ہے۔ میکسیکو کی تیل کی صنعت 80 سال تک ریاست کی تحول میں رہی جو انقلابی عہد کی حاصلات میں سے ایک تھی۔ ریاست کی جانب سے اٹھائی پہنچنے کا یہ مخصوص عمل سرمایہ داری کے زوال کے عہد میں اسکی آدم خور فطرت کو آشکار کر رہا ہے۔ سرمایہ داری ماضی کی حاصلات کو برقرار رکھنے کی اہل نہیں رہی بلکہ ان کے خاتمے کے درپے ہے تاہم میکسیکو میں یہ عمل ابھی رکا ہوا ہے۔ صدر پینا نیٹ، جسے 2014ء کے آغاز میں ٹائم جریدے نے ”میکسیکو کے محافظ“ (Man who saved Mexico) کا لقب دیا، کا نجکاری کا منصوبہ ابھی تعلل کا شکار ہے۔ فائل نامندر 9 دسمبر

2014ء کو اسی حوالے سے لکھتا ہے، ”تیل کی کپنیاں، اپنے محدود بجٹ کی وجہ سے غالباً بولی گاتے وقت احتیاط سے کام لیں گی اور کم قیمت کی پیش کریں گی تاکہ حکومت کو دباؤ میں لا کر آسان شراط منوائی جاسکیں۔“

یوکرائن کی طرح سرمایہ داری کی ”آسان شراط“ کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ کاری حاصل کرنے کی قیمت میکسیکو کے محنت کش ادا کریں۔ مزید یہ کہ میکسیکو کے عام لوگوں سے نیکوں کے ذریعے حاصل ہونے والی دولت سے تیل کی کپنیوں کو سرمایہ کاری میں سبستہ دی دی جائے اور محنت کشوں کی اجرتوں اور فلاح و بہبود پر کٹوتیاں لگائی جائیں۔ حالیہ مہینوں میں ایک عوامی تحریک کے ابھار کی صورت میں میکسیکو کے محنت کشوں کو تیل کی کپنیوں کی ”آسان شراط“ تسلیم کرنے کے لیے آسانی سے دبایا نہیں جاسکے گا۔ گزشتہ چارہ مہینوں میں پیسوی کی قدر میں 10 فیصد گرواث آئی ہے جس سے میکسیکو کی عوامی تحریک کے شعلے مزید بھڑکیں گے۔ برنس پیپرولیم (BP) کے مطابق دنیا میں سب سے بڑے تیل کے ذخائر و نیزویلا میں ہیں۔ برآمداتی آمدن کا 95 فیصد تیل پر مشتمل ہے اور افراطی زر کی شرح 60 فیصد کے قریب ہے۔ آئی ایم ایف کو توقع ہے کہ اس سال معیشت 3 فیصد تک سکڑ جائے گی۔ تجزیہ رگاروں کے مطابق ملک صرف اس صورت میں چل سکتا ہے کہ تیل کی قیمت 80 ڈالرنی یول سے کم نہ ہو۔ 11 دسمبر کو و نیزویلا کے قرضہ ارجمندان کے قرضوں سے زیادہ ہو گئے، جو اس سال کے آغاز میں دیوالیہ ہو گیا تھا۔ اس طرح و نیزویلا دنیا کا مہنگاترین ملک بن گیا۔ جوں کے بعد و نیزویلا کے قرضوں کی انشورنس کی قیمت 4 گناہ بڑھ گئی۔ کپیل اکنامکس کے مطابق ”بولیوار منہدم ہو گیا ہے جس کی ڈالر کے مقابلے میں قدر گزشتہ چار ماہ کے دوران 120 فیصد تک کم ہو گئی ہے اور بلیک مارکیٹ میں 178 بولیوار کا ایک ڈالر ملتا ہے۔ اس کے ساتھ باائز پرسود کی شرح میں اضافہ اور بڑھتا ہوا افراطی زر و نیزویلا کے بحران میں گرنے کی علامات ہیں۔“ کیرا کاس کی ایک مشاورتی ادارے ایکو یا نیڈیکا کے تجزیہ رگاروں کے اندازوں کے مطابق ملک کو بجٹ متوازن کرنے کے لیے تیل کی قیمت 130 ڈالرنی یول سے زیادہ ہونے کی ضرورت ہے یعنی موجودہ قیمتوں کے مقابلے میں دو گنے سے بھی زیادہ۔ 8 دسمبر کو امریکی ڈالر کی قدر 2008ء کے بحران کے بعد اپنی بلند ترین سطح پر پہنچ گئی۔ اگرچہ

امریکہ کی شیل تیل کی صنعت متاثر ہو رہی ہے لیکن گرتی ہوئی تیل کی قیمتوں کی وجہ سے 175 ارب ڈالر کی رقم منڈی میں شامل ہو رہی ہے یہ رقم امریکہ کی کل کھپت کے 0.7 فیصد کے برابر ہے۔ معیشت دانوں کے اندازوں کے مطابق امریکہ میں ہر فرد جو اپنی گاڑی استعمال کرتا ہے اسے 800 ڈالر سالانہ کا فائدہ ہو گا جو اجرتوں میں 2 فیصد اضافے کے برابر ہے۔ امریکہ عارضی طور پر باقی دنیا سے مختلف سمت میں حرکت کر رہا ہے تاہم لا انتہائی طور پر ایسا نہیں چل سکتا۔ امریکہ عالمی منڈی کے ساتھ مسلک ہے اور سرمایہ داری کے بلیک ہول کے مدار سے نہیں بچ سکتا۔ بلیک آف امریکہ میرل ٹیچ کا یورپی معیشت دان گزموک کہتا ہے ”امریکہ میں بھی عالمی سطح پر معیشتتوں کی بڑھتی ہوئی کمزوری پر بیشانی کا سبب بن رہی ہے۔ اگر باقی دنیا میں بھی ایسا نہیں ہو رہا تو تیزی سے شرح نہیں اضافہ کافی نہیں۔“

### بینکنگ سشم

تیل کی قیمتوں میں گراوٹ کس طرح پینکوں اور مالیاتی نظام کو متاثر کر رہی ہے اس کی ایک مثال بار کلے اور ویز فار گوبینک ہیں جنہوں نے دو امریکی تیل کی کمپنیوں سبان اور فاریسٹ کو قرض دیا ہوا تھا اور اب 85 کروڑ ڈالر ڈوبنے کا نظرہ ہے۔ ان پینکوں کو یہ قرض خریدنے والا کوئی نہیں مل رہا جو ان کی فرمیزان پرشدید باؤ کا باعث ہیں۔ بینک تو انہی کی صنعت کے پھیلاو کے لیے سرمایہ فراہم کر رہے تھے۔ جیسا کہ ایل ایل ایف ایڈواائز رادارے میں سرمایہ کاری کے چیف آف سرمایہ فرائنس کا کہنا ہے کہ ”شدید تکلیف و نقصان“ کے حامل بانڈز کا 30 فیصد تو انہی کے شعبے نے جاری کیا۔ بار کلے پینک کے مطابق ایک دہائی قبل کے 4.3 فیصد کے مقابلے میں آج تو انہی کے شعبے کے بانڈز مجموعی طور پر بانٹ مارکیٹ کے 15 فیصد کے برابر ہیں۔ چین اور یورپ میں ماگنگ میں کمی کو دیکھتے ہوئے بعض احباب یہ پیشین گوئی کر رہے ہیں کہ تیل کی قیمت 60 ڈالر یا اس سے بھی کم پر کی رہے گی جبکہ کچھ ماہرین کے مطابق تیل کی قیمت میں بڑی گراوٹ متوقع ہے اور وہ اسکا 2008ء کے بحران سے موازنہ کر رہے ہیں۔

فناشل ٹائمز 16 دسمبر 2014ء کو لکھتا ہے، ” موجودہ کیفیت امریکی پر اپرٹی کی منڈی کے

انہدام جس نے 2008ء کے عالمی مالیاتی زوال اور اس کے ساتھ بینکوں کی بر巴ادی کا آغاز کیا تھا سے قریبی مشاہدہ کرتی ہے۔ وہ جن کے کھاتے تیل کی کمپنیوں کو دیئے جانے والے قرضوں سے بھرے ہوئے ہیں انکو بڑے نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے۔ لیکن اس کے باوجود جن بینکوں کا اس خطرناک کاروبار میں سب سے بڑا حصہ تھا انہوں نے سب سے زیادہ منافع بھی حاصل کیا۔ ولیز فارگو دنیا کا سب سے زیادہ قدر کا حامل بینک ہے جس کے حصص کی قیمت میں 2014ء میں 23 فیصد اضافہ ہوا۔ یہ صورت حال ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ بھرمان سے پہلے کے قابل قدر بینکوں اشینڈرڈ چارٹرڈ اور بی این پی پار بیاس کی طرح انکا بھی ذلت کی گہرائیوں میں گرانٹے ہے۔“

تیل کی قیتوں میں گروٹ نے ان بورڈا پالیسی سازوں کو پریشانی میں بٹلا کر دیا ہے جن کو یہ توقع تھی کہ یوکرائن، شمالی افریقہ اور مشرق وسطی میں بڑھتے ہوئے سیاسی تصادموں اور تناؤ کی وجہ سے تیل کی قیتوں میں اضافہ ہو گا۔

### فائدہ کس کا؟

عام طور پر تیل کی گرتی ہوئی قیمت تیل درآمد کرنے والے یوروزون اور جاپان جیسے خطوں کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ تیل کی قیمت میں 40 ڈالر کی کامطلب ہے کہ عالمی معیشت کے 1.3 ہزار ارب ڈالر پیداوار کرنے والوں سے خریدنے والوں کی جانب منتقل ہو گئے ہیں۔ تاہم یہ اتنا سیدھا معاملہ نہیں۔

تیل کی قیمت کم ہونے سے خریدنے والے ممالک میں افراطی زرخطرناک حد تک کم ہوتا ہے۔ پہلے ہی یوروزون کے بارے میں ہونے والی پیش گوئی سے یہ واضح کہ یہ افراطی زر کو 2 فیصد کرنے کا ہدف حاصل نہیں کر پائے گا۔ یورپ اور جاپان جیسے خطے جو بے پناہ مقروض ہیں ان کے لئے سرمائے کے حکمت ساز افراطی زر کو وہ لازمی برائی قرار دیتے ہیں جس سے قرضوں کے بوجھ کو کم کیا جاسکتا ہے۔

مختصر مدت کے لئے دوسری معیشتوں کی قیمت پڑا لر کی قدر میں اضافہ نام نہاد ”ابھرتی ہوئی معیشتوں“ کے لئے نصان دہ ہے چونکہ ان کے زیادہ تر قرضے ڈالروں میں ہیں۔ ان

میختوں کے قرضوں کی مالیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ تیل کی برآمدات پر انحصار کرنے والے روس، وینزویلا اور ایران جیسے ممالک کی تقدیر مکمل طور پر تیل کی قیتوں کے ساتھ نسلک ہو جکی ہے۔ یہ ممالک سب سے پہلے اور سب سے زیادہ متاثر ہوں گے جس پر امریکی سامراج کوشاید مسروت ہو۔ تیل کی کرتی ہوئی قیمت کے ساتھ ان ممالک کی میختوں کی قدر میں کمی آرہی ہے اور اس کے ساتھ ان کی کرنی کی قدر میں کمی کے ساتھ درآمدات مہنگی ہو رہی ہیں جس سے میخت بری طرح متاثر ہو رہی ہیں۔ خاص کر روس اس وقت ایک ایسے دیوبکی مانند ہے جس کے پاؤں مٹی کے ہیں اور اس کی میخت بے قابو انداز میں بیچے گر رہی ہے۔ روئی مرکزی بینک کا ڈپٹی گورنر سر گنی شویٹوف کہتا ہے کہ صورتحال انتہائی غمگین ہے ”ایک سال پہلے میں تصویر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں تک کہ کسی بھی بینک سپنے میں بھی نہیں کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔“ (فائل نامہ، 17 دسمبر)

## اذیت مرگ

ٹرانسکو نے وضاحت کی تھی کہ ”موجودہ یورپی اور عالمی یوروزگاری کے بحران کی کیفیت میں اتفاقی واقعات سرمایہ داری نظام کے انحطاط کے نامیانی عمل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ہم نے ایک سے زائد بار یہ دھرا یا ہے کہ اتفاقی چکر یا سائکل سرمایہ داری سماج کی ترقی کے ہر مرحلے پر اس کی لازمی فطرت کا حصہ ہیں۔ لیکن مختلف مرحلے پر ان کا کردار مختلف ہوتا ہے۔ جیسے کسی فرد کے ساتھ عمر کے آخری حصے میں ہوتا ہے کہ بہتری ہونے کے وقٹے غیر لائق ہونے کے ساتھ ساتھ مختصر بھی ہوتے ہیں اور بیماری کا ہر بیان مجملہ پورے جسم کو متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح سرمایہ داری خاص کر یورپ میں یہ اتفاقی چکر یا گردش بحران کے طوالت اختیار کرنے کے روحان کی عکاسی کر رہے ہیں جس کے دوران نسبتاً بہتری کے مختصر وقٹے بھی آتے ہیں۔“ (ٹرانسکو کی تحریریں، 1930ء)

ٹرانسکو مزید لکھتا ہے، ”جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ سرمایہ داری کی قریب المrg کیفیت میں بھی عروج وزوال کا گردشی چکر موجود رہتا ہے لیکن اب یہ گردشی چکر زوال پذیر اور بیمار کردار کا حال ہو جاتا ہے۔ سرمایہ داری کے بحران کا حقیقی خاتمه پر ولتا ری انقلاب کے ذریعے ممکن ہے۔“ ”کاروبار کے گردشی چکر میں ابھار یا عروج کا دورانیہ ناقابلی ذکر حد تک مختصر ہوتا ہے اور

جیسا کہ اب ہمیں سرمایہ داری کے ناقابل علاج حد تک پیار گردشی چکر کا سامنا ہے۔ ایک مختصرہ عارضی عروج کے بعد نیا آنڈا لحران موجودہ لحران سے زیادہ تباہ کن ہو گا۔ تمام مسائل دُغی طاقت اور تیزی سے دو باہم بھریں گے۔ لیکن آج معاشری عروج کی بات ایک مفروضے سے زیادہ نہیں ہے۔ لحران کی شدت، دوسال کی فوجی خدمات کے احکامات، جنمی کا خود کو سلسلہ کرنا اور ایک جگ کا خطرہ، آج کی حقیقت ہیں۔“

یہ دوسری عالمی جنگ کی تباہ کن ہم جوئی تھی جس نے اس تناظر کے برعکس سرمایہ داری کو لحران سے نکلنے کا ایک راستہ فراہم کیا تھا۔ لیکن جنگ کے بعد اپنے والی انقلابی تحریکوں سے اصلاح پسندوں اور انسانشوں کی غداری بھی ایک بڑا عرض تھا جس نے سرمایہ داری کو بھائی کا موقع دیا۔ مختلف عناصر کے امتزاج کا ایک پورا سلسلہ تھا جس نے بعداز جنگ کے عرصے میں سرمایہ داری کو نہ صرف استحکام بلکہ 25 سال تک چلنے والے ایک شاندار عروج کو حاصل کرنے میں مدد فراہم کی۔ اس بے پناہ ترقی کی پیچھے عالمی تجارت کی قوتِ محکم کا فرماقہ تھی جس نے سرمایہ داری کو قوی ریاست اور ذرائع پیداوار کی خوبی ملکیت کی تنگ حدود کے بندیوں تضادات پر عارضی عرصے کے لئے قابو پانے میں مدد فراہم کی۔ سرمایہ داری اپنی حدود سے باہر نکل گئی تاہم اس کے بندیوں تضادات کو عارضی طور پر دبادیا گیا پھر حل نہیں کیے جاسکے۔ آخر کار 1974ء میں سرمایہ داری کو یہی وقت آنے والے عالمگیر لحران کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سرمایہ داری کے ”سنہری دور“ کے خاتمے اور زوال کی جانب گامزن ایک نئے عہد کی طرف موڑ کی عکاسی تھی۔ تمام پرانے تضادات اب سطح کے اوپر آچکے تھے اور زائد پیداوار کے ساتھ ہر طرف بے پناہ پیروزگاری کو بڑھانے کا باعث بنے۔ یہ سرمایہ داری کے ایک نئے نامیاتی لحران کی علامات ہیں جس نے اس نظام کی ترقی پر قدغن لگادی۔ اس کے باوجود سرمایہ داری لٹکھراتے ہوئے چلنے کے قابل تھی اور تمام دستیاب ذرائع سے ان تضادات پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ قرض سرمایہ داری نظام کو آگے دھکلنے کا بڑا ذریعہ تھا لیکن واحد ذریعہ نہیں تھا۔ صرف امریکہ میں قرض کا جم 1964ء میں ایک ہزار ارب ڈالر سے بڑھ کر 2007ء میں 50 ہزار ارب ڈالر تک پہنچ گیا۔ سرمایہ داری نظام اپنی تنگ حدود پر قابو پانے میں ہمیشہ کسی حد تک کامیاب ہو جاتا ہے لیکن ہر بار ایسا کرتے ہوئے مستقبل کے لیے زیادہ

بڑے مسائل اور روکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔

آخر کار سرما یہ داری اپنی حدود کو پہنچ گئی۔ جتنے لے عرصے تک یہ اپنے اندر ونی بحران کو تلاٹے میں کامیاب رہی اتنی بھی ہوئی شدت کے ساتھ اس کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ تمام عناصر جو اس نظام کو ترقی دینے کا سبب تھے اب اپنے الٹ میں بدل چکے ہیں۔ وہ تمام عوامل جو سرما یہ داری نظام کو عروج کی جانب لے جانے کا باعث تھے اب مل کر اس نظام کو بے قابو انداز میں زوال کی جانب دھکیل رہے ہیں۔

سرما نے کے پالیسی ساز اگرچہ 2008ء کے بحران سے خوف زدہ اور فکر مند ہو گئے تھے لیکن پھر انہیں یہ امید تھی کہ بعد از جگہ کے عرصے کے تمام بحرانوں کی طرح اس بحران کے بعد بھی ایک نیا اور مضبوط عروج آئے گا۔ لیکن ایسا ماضی میں ہوا کرتا تھا۔ عالمی معیشت کا تناظر یہ ہے کہ 1990ء کے بعد سے اب تک جاپان کو جس قسم کے طویل اور اذیت ناک جمود کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے عالمی معیشت کے ساتھ بھی ویسا ہی ہو گا۔ لیکن سرما یہ دار یہ سمجھنے سے بالکل قادر ہیں کہ در حقیقت ہوا کیا ہے۔ عروج اور ترقی کا طویل دور جو مخصوص حالات کے امتحان کا نتیجہ تھا بہیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے اور اب اس کو دوبارہ دھرایا نہیں جاسکتا۔ بہترین صورتوں میں بھی ہمیں ایک گھرے ہوتے ہوئے بحران اور طویل جمود کا سامنا رہے گا۔ سرما یہ داری کے تضادات حل ہونے کی بجائے مزید شدت اختیار کر گئے ہیں۔ سرما یہ داری نظام سماج کی ترقی اور ذرائع پیداوار کی پڑھوتری کے راستے کی ایک نسبتی رکاوٹ سے مطلق رکاوٹ میں تبدیل ہو چکا ہے۔

2008ء کے بحران سے پہلے بھی 30 سال تک شرح منافع میں اضافے کے باوجود اس عرصے میں قیاس آرائیوں پر متین بلیوں، قرضوں کے دیوبھیکل پہاڑ اور سستے سرما نے کی سمندر کی مانند فراوانی کے ذریعے اس نظام میں بلند پیانے کی شرح نہیں حاصل کی جا سکی۔ یہ اس بات کی علامات ہیں کہ سرما یہ داری نظام طویل عرصہ قبل اپنی حدود کو پہنچ چکا تھا اور اس کو انتہائی اقدامات کے ذریعے مصنوعی بنیادوں پر زندہ رکھا جا رہا تھا۔ یہ نامیاتی بحران جو 1974ء میں دوبارہ ابھر کر سامنے آگیا تھا عروج وزوال کے گردشی چکر کے ساتھ آج تک جاری ہے۔

## پیداواریت کی پہلی

جیران کن طور پر اس نام نہاد بھالی کے عرصے میں مزدوروں کی پیداواری صلاحیت بھی کم ہوئی ہے۔ معیشت دان اس کو ”پیداواریت کی پہلی“، قرار دیتے ہیں جو ان کی پراگندگی کی علامت ہے۔ برطانیہ میں یہ آخری حدود کو چھپو رہی ہے جہاں ایک گھنٹے کے کام کی پیداواریت گزشته 5 سالوں میں کم ہوئی ہے۔ گزشته 100 سالوں کے دوران ایسا تیسری بارہوا ہے اس سے پہلے دو عالمی جنگوں کے بعد ایسا ہو چکا ہے۔ عالمی معیشت کو آج اسی قسم کے بحران کا سامنا ہے۔ دنیا کے امیر ترین ملک امریکہ میں پیداواریت کے بحران کے باعث یہ بحث چھڑگی ہے کہ آخر یہ کیونکر گر رہی ہے۔ نجیف بھالی کی وجہ سے کمزور ماگ یا ایجادات کو تحریک دینے والے عوامل میں کمی جیسے بے شمار دلائل دیے جا رہے ہیں۔ اس بحث کا آغاز ناتھ ویسٹ یونیورسٹی کے پروفیسر رابرٹ گورڈن نے کیا کہ جو یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا انسیوں اور بیسوں صدی کی تیزی و حمل اور گھریلو مشقت کو کم کرنے والی میشنیوں جیسی ایجادات ماشی کا حصہ بن چکی ہیں؟ 1970ء کے بعد امریکہ میں تیکلکی شعبے کی ترقی ایجادات میں مست روی کے باعث کم ہونا شروع ہو گئی تھی۔

فائل ٹائمز جریدہ 18 جنوری 2014ء کو لکھتا ہے ”پیداواریت کے معاملے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ کافرنس بورڈ کے ماہرین کی اس ہفتے شائع ہونیوالی رپورٹ واضح کرتی ہے کہ دہائیوں میں ایسا پہلی بارہور ہا ہے کہ دنیا کی سرمائی اور محنت کو اتنا اس اور خدمات میں بدلنے کی صلاحیت کم ہو رہی ہے۔ اگر یہ گروٹ جاری رہتی ہے تو اس کا نتیجہ معیار زندگی میں بڑی گروٹ کی صورت میں سامنے آئے گا جو نکہ کارکردگی اور ایجادات کی بھی معاشی ترقی کو طویل عرصے تک برقرار رکھنے کے بنیادی محکمات ہوتے ہیں۔“

معیشت میں نوبل انعام یافتہ پال کروگ میں نے 1990ء کی دہائی میں لکھا تھا کہ ”پیداواریت سب کچھ نہیں ہوتی لیکن لمبے عرصے میں پیداواریت ہی سب کچھ ہوتی ہے۔“ درحقیقت کسی بھی معیشت کو گھنی طور پر ایک وقت مجن کی معیشت تک محدود کیا جاسکتا ہے۔ جس سماج کی پیداواریت جتنی زیادہ ہوگی وہ سماج اتنا ہی دولت مند ہو گا۔ پیداواریت میں اضافہ تیکلکی جدت اور محنت کے عمل میں سرمایہ کاری سے ہوتا ہے۔ سرمایہ داری نے محنت کی پیداواریت میں

ایک انقلاب برپا کیا تھا لیکن یہ اپنی آخری حد و کوئی پنچھے چکا ہے۔

یہ حقیقت کہ سرمایہ داری کو پیداواریت کے برجان کا سامنا ہے منڈی کی معیشت کے پورے وجود پر سوال اٹھا رہی ہے۔ محنت کش طبقے کے اتحصال کے ذریعے حاصل ہونے والی قدر رازند سے تسلسل کے ساتھ پیداواری عمل میں دوبارہ سرمایہ کاری کی بجائے اب سرمایہ داری نظام خود اپنے لیے سب سے بڑی رکاوٹ بن چکا ہے۔ ایک اور مضمون جس میں کافرنس بورڈ کی پیداواریت کی رپورٹ کا جائزہ لیا گیا ہے صورتحال کی گلگٹ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے ”محنت کی پیداواریت یعنی ایک گھنٹے کے کام کے دوران کی جانے والی پیداوار اور محنت کی بحیثیت مجموعی کارکردگی (Total Factor Productivity) کی داستان ایک جیسی ہے۔ ترقی یافتہ معیشتوں میں پیداواریت کی ترقی میں گراوٹ ایک لمبے تاریخی عمل کا نتیجہ ہے۔ ابھر تی ہوئی معیشتوں کی کارکردگی میں اضافہ اُسکی تلافی سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔“ وہ مزید لکھتا ہے کہ ”اگرچہ ابھر تی ہوئی معیشتوں میں پیداواریت کا رجحان ابھی تک 1970ء اور 80ء کی دہائیوں کے مقابلے میں کافی بہتر ہے لیکن پریشانی کا سبب یہ ہے کہ بھاری صنعت یعنی مشینی وغیرہ کی پیداوار میں سرمایہ کاری کی شرح کو برقرار رکھنے کے باوجود 10 سال پہلے جیسی کارکردگی حاصل نہیں ہو پا رہی جس کا مطلب ہے کہ سرمایہ کاری کا رخ ممکنہ بہترین نتائج کے حامل شعبوں کی طرف نہیں ہے۔ کافرنس بورڈ کے تینیوں کے مطابق چین میں گزشتہ سال محنت کی مجموعی کارکردگی جو دکا شکار رہی جبکہ ہندوستان میں کمی ہوئی ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ سب سے بڑی معیشیں بھی کارکردگی کے اس معیار کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں جس کا حصول پہلے با آسانی ممکن ہوتا تھا۔“ وہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے لکھتا ہے ”اگر یہ گراوٹ جاری رہتی ہے تو اس کے معیار زندگی پر تباہ کن اثرات پڑیں گے۔“

”ممکنہ بہترین نتائج کے حامل شعبوں“ کے حوالے سے بات کی جائے تو سرمایہ داری میں ہر اس شعبے میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے جس سے ممکنہ طور پر زیادہ منافعوں کا حصول ممکن ہو۔ سرمایہ دار اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے کاروبار نہیں کرتے۔ یہی سرمایہ دارانہ نظام کی منطق ہے۔

## سورج کو ٹھنڈا کرنا

اس صورتحال کے باعث بائیں بازو کے کچھ لوگ یہ تصور کرنا شروع ہو گئے ہیں کہ سرمایہ داری کے بحران کیوضاحت شرح منافع میں کمی کے رجحان سے ممکن ہے۔ بعض ادوار میں شرح منافع میں کمی ہو جاتی ہے جبکہ بعض ادوار میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اس کا انحصار مختلف باہم اثر پذیر عوامل پر ہوتا ہے۔ اس رجحان کی کارگزاری ایک طویل مدت کے دورانیے میں ظاہر ہوتی ہے۔ ہم روز اکسمبر گ کی اس بات سے متفق ہیں جب اس نے یہ کہا تھا کہ اگر شرح منافع میں گراوٹ کی وجہ سے سرمایہ داری نظام کا خاتمہ ہو گا تو اس کے لیے اتنا ہی عرصہ درکار ہو گا جتنا کہ سورج کو ٹھنڈا ہونے میں لگے گا۔ 2008ء کے بحران سے پہلے کے 30 سالوں میں شرح منافع میں اضافہ ہوا تھا۔ سرمایہ داری نظام کے اندر ایک اہم رجحان ہونے کے باوجود اس سے سرمایہ دارانہ بحران کی بنیادی وجہ کیوضاحت نہیں ہوتی جو کہ زائد پیداوار کا بحران ہے۔

اگرچہ 2008ء کے بحران کے بعد منافعوں کے حصول میں اضافہ ہوا ہے لیکن سرمایہ کاری جو کسی بھی پائیدار ترقی کی کلید ہوتی ہے اپنی کم تر حدود کو چھوڑتی ہے۔ بعض ممالک جیسے برطانیہ وغیرہ میں اس میں کافی حد تک گراوٹ آئی ہے۔ اس کی وجہ منافعوں میں کمی (جو بڑھے ہیں) یا سرانے کی دستیابی میں کمی نہیں (سرمایہ داروں کے پاس اربوں ڈالر پڑے ہیں) بلکہ منافع بخش منڈی (جسے سرمایہ دار مانگ کرتے ہیں) کی عدم موجودگی ہے۔ بحران کے پہلے کے عرصے میں کی جانے والی بے پناہ سرمایہ کاری سے پیدا ہونے والی زائد صلاحیت (زاد پیداوار) کی بہتات ہے۔

عام طور پر ہر زوال کے دوران گرتی ہوئی شرح منافع کو زائد پیداوار کی بر بادی کے ذریعے بحران کے بعد دوبارہ بڑھانے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں جو تی سرمایہ کاری کو تحریک دینے کا باعث بنتے ہیں۔ پرانے ذرائع پیداوار کی جگہ اور جدید مشینزی لگائی جاتی ہے جس سے پیداوار کو بڑھانے کی بنیادیں حاصل ہوتی ہیں۔ اجرتوں میں کمی، کام کے سخت اوقات، کار کے ساتھ زائد پیداوار سے چھکا راجزوی طور پر شرح منافع کو بڑھانے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ اس سے ایک نئے معاشی گردشی عروج کی راہ ہموار ہوتی ہے لیکن مستقبل میں ایک نئے زوال کے نئے بودیے

جاتے ہیں۔ اسی کو نام نہاد ”تحقیقی بر بادی“ کے عمل کا نام دیا جاتا ہے۔ تاہم اجرتوں میں کٹوتیاں کر کے وہ اس وقت خرید کو بر باد کر دیتے ہیں جس پر منافعوں کے حصول کا انحصار ہوتا ہے۔ عموماً ایک زوال زائد پیداوار کا خاتمه کر دیتا ہے لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا۔ 1930ء کی دہائی کے بعد سب گھرے بھر ان، کاغذی قدر کے ساتھ فیکٹریوں اور مشینی کی تباہی بھی ”زاند صلاحیت“ کو ختم کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی۔ ”زاند صلاحیت“ سرمائے کی زائد پیداوار اور منڈی کی نگک حدود کے ہم متین لفظ ہے۔ اسی لیے ”زوہی“ فیکٹریوں اور بیکوں کی بات کی جاتی ہے جنہیں سے قرضوں کے ذریعے مصنوعی طور پر زندہ رکھا جا رہا ہے۔ نتیجتاً سرمایہ داری نظام زائد صلاحیت اور اجناس کی فروخت کے لیے منڈی کی عدم دستیابی کے دباؤ تک گراوٹ کی جانب گامزن ہے۔ عالمی تجارت میں بڑھوٹری کی انہائی ستر فقار (گھونگھ کی طرح ریغتی ہوئی) بھی نظام کی ناکامی کی علامت ہے۔ ابھرتی ہوئی معیشتتوں خاص کر چین کی ست روی بھر ان کی علامت ہونے کے ساتھ اس میں اضافے کا ایک سبب بھی ہے۔ وہ احباب جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ بھر ان کی وجہ شرح منافع میں کمی تھی انہیں یہوضاحت کرنی پڑے گی کہ کیوں گزشته عرصے میں شرح منافع میں ہونے والی بحالی سرمایہ کاری میں حقیقی اضافے اور پائیدار شرح نمو کے حصول کا سبب نہیں بنی؟ 11 جنوری 2014ء کے فائل نامہ میں جان پلنڈر لکھتا ہے، ”امریکی جی ڈی پی میں منافعوں کا حصہ 1980ء میں 4 فیصد سے بھی کم تھا جو بڑھ کر گزشته برس بعد از جنگ کے عروج کی بلند ترین سطح یعنی 11 فیصد تک پہنچ گیا ہے اور یہ اشارہ پانیسویں صدی کے ڈیکیت نما سرمایہ داروں کے دل کو شاید بہت محور کرے۔ اجرتوں کا حصہ 1970ء کے آغاز سے مسلسل کم ہوتا آ رہا ہے۔“

معیشت کا تحریک کرنے والے ایک امریکی ادارے پیور و آف اکنامک ایالاں سر کے مطابق قرضوں کے بھر ان سے ایک سال پہلے 2006ء کی تیری سماں میں امریکہ کا قبل از یہیں منافع اپنی بلند ترین سطح پر 1865ء ارب ڈالر تھا۔ اس میں سال 2008ء میں بتدریج کمی ہوتی رہی اور چوتھی سہ ماہی میں یہ گر کر 1861ء ارب ڈالرہ گیا تھا جیسا کہ ہم پہلےوضاحت کرچکے ہیں کہ یہ زوال اور عالمی تجارت کے منہدم ہونے باعث تھا۔ تاہم 2009ء کی پہلی سہ ماہی میں قبل از یہیں منافع دوبارہ اضافے کے ساتھ 1130ء ارب ڈالر ہو گیا جبکہ اسی سال کی چوتھی سہ ماہی میں

1548 ارب ڈالر تک پہنچ گیا۔ 2010ء کی تیری سے ماہی میں یہ منافع بحران سے پہلے کی سطح کے قریب تر ہی 1845 ارب ڈالر ہو گیا۔ صورت حال یہ ہے تو پھر کیوں سرمایہ داری نظام ابھی تک ایک گہرے بحران سے دوچار ہے جس میں شرح نمو انتہائی نجیف ہے اور کسی بھی بحالتی میں خون کا کردار ادا کرنے والی سرمایہ کاری مسلسل گر رہی ہے؟ یہ دیوبھل منافع شرح منافع میں کی کے رجحان کو سرمایہ دارانہ نظام کے بحرانات کی وجہہ قرار دینے والے ظریفے کو غلط ثابت کر رہے ہیں۔

یہ یک طرفہ اور میکانی وضاحت ہے جو مارکس کے جد لیاتی طریقہ کار کے بالکل متفاہد ہے۔ مارکس کسی ایک عشر کو سرمایہ دارانہ نظام کے بحران کی وجہہ کی وجہہ بجائے تضادات کے مخصوص امتحان کو بحران کی وجہہ سمجھتا تھا۔ جیسا کہ اس نے وضاحت کی تھی ”اس لیے قانون ایک رجحان کے طور پر عمل پذیر ہوتا ہے جس کے اثرات کچھ مخصوص حالات اور طویل مدت میں فیصلہ گن ہوتے ہیں۔“ جیسا کہ ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ سرمایہ دارانہ بحران کی اصلیت ہر سطح پر موجود زائد پیداوار اور سرمایہ دارانہ پیداوار کے مقاصد یعنی منافعوں کے حصول کا باہمی تضاد ہے۔ جب کوئی منزدی نہیں ہو گی تو اجتناس فروخت نہیں ہوں گی اس لیے منافع نہیں ہو گا۔ اس نامیاتی بحران کی کیفیت میں سرمایہ دار کیوں کو سرمایہ کاری کریں گے؟

### بندگی

معیارِ زندگی پر حملے اور بڑے پیانے کی کٹوپوں کے باعث کھپٹا اور سرمایہ کاری گراوٹ کا شکار ہے جس کے بغیر کوئی ہامی شرح نمو حاصل نہیں کی جاسکتی۔ مضی میں سرمایہ دارانہ نظام محنت کشوں کی غیر ارادشہ اجرت سے حاصل ہونے والی قدر زائد کو دوبارہ سرمایہ کاری میں استعمال کرتے ہوئے ترقی کر رہا تھا۔ اس طرح سرمایہ دارانہ نظام کے بنیادی تضادات کو عارضی طور پر قابو پانے میں کامیابی حاصل ہوئی یہ بنیادی تضاد ہے کہ محنت کش طبقہ اپنی پیدا کردہ اجتناس کو خریدنہیں سکتا۔ لیکن اب ہر جگہ معیارِ زندگی پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ اجرتوں میں کمی زیادہ منافعوں کے حصول کو ممکن بناتی ہے لیکن اسی کے ساتھ اجتناس کی مانگ میں کمی لا کر ان منافعوں کی تکمیل یا ان کے ثمرات کے حصول کو ناممکن بناتی ہے۔ مزید یہ کہ سرمایہ دارانہ حکومتیں ریاست کے مالی بحران کی وجہ سے ریاستی اخراجات میں اضافہ نہیں کر سکتیں اور اجرتوں میں اضافہ (ہر جگہ اجرتوں میں کمی کی

جاری ہے) اس لیے نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس سے منافعوں میں کمی آجائے گی۔ سرمایہ کاری کے نہ ہونے (جو محنت کشوں کی غیر ادا شدہ اجرت سے آتی ہے) اور گرتے ہوئے معیار زندگی کے باعث یہ نظام ایک بندگی میں پھنس چکا ہے۔ سرمایہ دارانہ پیداوار کا انحصار بڑھتے ہوئے ارتکاز دولت (سرمایہ کاری) پر ہے۔ اس عمل کو سر انجام دینے میں ناکامی ناگزیر یورپ، برلن کو پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ ارتکاز میں کمی کے تباہ کن اثرات ہوتے ہیں جس سے پیداوار، فروخت اور سرمایہ کاری کے عمل کا تسلیل رک جاتا ہے۔ جب ارتکاز کا عمل رک جاتا ہے تو منافعوں کے حصول کا عمل بھی رک جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام پیداوار کے ذرائع یا بھاری مشینری وغیرہ میں سرمایہ کاری کے ذریعے اپنی ایک منڈی تخلیق کرنے پر مجبور ہوتا جس سے پھر معاشی ترقی کوئی بڑھوٹری ملتی ہے۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ پیداوار کو دو مختلف پیداواری شعبوں، بھاری مشینری وغیرہ اور عام تصرف کی اجتناس میں تقسیم کیا تھا۔ ان دونوں شعبوں، پیداوار کے ذرائع یعنی بھاری مشینری (مشین، عمارت وغیرہ) کی پیداوار اور اشیائے صرف کی پیداوار کا باہمی پوچیدہ تعلق سرمایہ دارانہ معیشت میں بڑھوٹری کا باعث بنتا ہے۔ قدر زائد کی چھوٹی سی مقدار جو سرمایہ دار اپنے تصرف میں لاتے ہیں کہ علاوہ باقی تمام قدر زائد معیشت میں واپس ڈالی جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا تمام تاریخی جواز ذرائع پیداوار کو ترقی دینے سے مسلک تھا۔ اگر پیداوار میں اضافہ نہیں ہوگا تو منڈی جمود کا شکار رہے گی۔ پیداوار کے دونوں شعبے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ ایک میں گراوٹ بالآخر دوسرے کی گراوٹ کا باعث بنتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام صرف اس وقت درست طور پر کام کرتا ہے جب تمام عوامل کا باہم تال میں اور تصال بنتا ہے۔ مسلسل بڑھتی ہوئی پیداوار کے ساتھ سرمایہ کاری میں اضافے اور تسلیل کے ساتھ پھیلتی ہوئی منڈیوں کی ضرورت ہوتی ہے جس سے عروج کی ایک خمار اٹھان جنم لیتی ہے۔ لیکن آج ایک الٹ عمل وقوع پذیر ہو رہا ہے جس میں زائد پیداوار اور سکرتی ہوئی منڈیوں کا ناگزیر نتیجہ جمود اور بڑھتا ہوا برلن ہے۔ ”ارتکاز براۓ ارتکاز“ کا قانون جو سرمایہ دارانہ نظام کو آگے بڑھانے کا موجب بنتا ہے، اپنی اثر پذیری کو چکا ہے۔ ماخی کی طرح ذرائع پیداوار کو ترقی

دینے کی البتہ سے محرومی سرمایہ دار اسلامی نظام کے بحران کی واضح عکاسی ہے۔

سرمایہ دار اداوار کا خمار خط جیسا ٹائسکی نے اسے قرار دیا تھا ب زوال اور پستی کی جانب گامز ہے۔ موجودہ عہد مختصر عروج یا نجیف بحالی اور گھرے زوال و طویل بحرانوں پر مشتمل ہو گا۔ سرمایہ دار جو قدم بھی الھائیں گے وہ غلط ہو گا۔ معاشی توازن کو بحال کرنے کی ہر کوشش سماجی اور سیاسی استحکام کو بگاڑنے کا باعث بنے گی۔ ان کے آگے کنوں پیچھے کھائی ہے۔ انہی وجہات کی پناہ ہم تاریخ کے سب سے پراشتشار دور میں داخل ہو رہے ہیں، ایک ایسا دور جس میں معاشی، سیاسی، سماجی اور عالمی تعلقات میں ہر حوالے سے دھماکہ خیز واقعات رومنا ہوں گے۔ اس قسم کے تمام دھماکے ایک اٹوٹ سلسلے کے طور پر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوں گے۔

### مستقبل کٹوتیاں

ایک تباہ کن زوال کے 5 سال بعد بھی سرمایہ دار اسلامی نظام کے تحت مستقبل مایوس کن دکھائی دیتا ہے۔ ہم 1920ء یا 1930ء کی دہائی میں ہونے والی بحالی سے بھی کمزور بحالی دیکھ رہے ہیں۔ اس کے ساتھ معیار زندگی پر بھیا نک ملے کیے جا رہے ہیں اور ہر جانب کٹوتیوں کی پالیسی عام ہے۔ کٹوتیوں کا راستہ ”ناہموار، اذیت ناک اور بہت طویل ہو گا“؛ بینیں گئیں لکھتا ہے ”معاشی بحالی بحران کے دور کے خاتمے کی علامت نہیں نہیں اس کے خاتمے کے عمل کا آغاز ہے۔“ بہترین صورت میں یہ آغاز کا اختتام ہے۔ اگر ہمارا مالیتی بحران ایک ناقابل عبور تاریخی چینچ یا چتاونی کی طرح لگتا ہے تو ایسا لگنا چاہیے۔“ (فائل نامہ، 15 اکتوبر 2013ء)

بعض بورڈوا تجزیہ نگار جیسا کہ کلمشن کے دور حکومت میں امریکہ کا سابق سیکرٹری خزانہ لارنس سمرز ہونا کہ نتائج اخذ کرتا ہے۔ ”کیوں جمود ایک نیا معمول ثابت ہو سکتا ہے“ کے عنوان سے لکھے گئے ایک مضمون میں وہ سرمایہ داری کو ایک ”متواتر جوڑ“ کے سامنے کی بات کرتا ہے۔ لغت کے مطابق متواتر (Secular) کا مطلب لامتنازع طور پر لمبا عرصہ بہاں تک کہ ایک صدی تک چلنے والا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ اگر اس سال معیشت میں بروشوری ہوتی بھی ہے تو ”یا اس کی خانست فراہم نہیں کرتی کہ یہ معمول کی حقیقی شرح سود پر پاسیدار ترقی کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ جاپان اور یورپ کے بارے میں یہ پیشین گوئی ہے کہ ان کی شرح نمو امریکہ سے کم رہے گی۔ صنعتی

طور پر ترقی یافتہ دنیا میں افراد از کی شرح ہدف سے نیچے ہے اور برہصوتی کے کوئی امکانات نظر نہیں آرہے جو مانگ کی سگنین حد تک کمی کی علامت ہے۔” (فائل نامن، 16 دسمبر 2013ء)

لارنس سمرز نے آئی ایم ایف کی ایک رسیرچ کا فرنٹس میں بھی ”متواتر جمود“ کے موضوع پر تقریر کی۔ بورڈوازی کے نمائندے جس جمود کے نئے عہد کے بارے میں کھلے عام گفتگو کر رہے ہیں درحقیقت دوسرے اور آسان الفاظ میں یہ ایک نئی کساد بازاری کا عہد ہے جو سرمایہ داری کے نامیاتی بحران کی عکاسی ہے۔ بیگز رچ ڈیقین رکھتا ہے کہ ہم پہلے ہی ایک کساد بازاری کے دور میں داخل ہو چکے ہیں جس میں ست رفتار معاشر نوساختی ہے۔ عجیب مہم انداز میں وہ کہتا ہے ”نظامِ اڑ کھڑا تا ہوا چل رہا ہے۔“ سرمائے کے دیگر سنجیدہ نمائندگان میں موجود ماضی کی رجائیت کی جگہ اب ایک خوفناک قتوطیت نے لے لی ہے۔ جو پھر سرمایہ داری کے ایک گہرے بحران کی عکاسی ہے۔ یہ ماہی فائل نامن کے چیف اکاؤنٹس مارٹن ولف کے ایک تبرے سے ظاہر ہوتی ہے، جو انتہائی محتاط انداز میں کہتا ہے کہ 1930ء کی دہائی جیسے حالات کا لوث آنا ممکن ہے۔ وہ دو ٹوک الفاظ میں کہتا ہے ”میں نہیں جانتا تھا پر اب جان گیا ہوں۔“ صورتحال کی سگنی (نیا معمول) بالآخر تمام سنجیدہ بورڈوانہ نمائندوں پر گھل کے آشکار ہو گئی ہے۔ وہ چاروں چار یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ انھیں 1930ء کی دہائی سے ملتے جلتے نظام کے بحران کا سامنا ہے۔ آئی ایم ایف کی سرمادہ کریشن لیگارڈ نے بھی اسی قسم کے تاثرات کا اظہار کیا، ”عالیٰ معیشت عظیم زوال کا موڑ مڑ رہی ہے اگرچہ مجموعی شرح ترقی بہت ست اور نیجیف ہے لیکن جب تک تمام ممالک متحد ہو کر درست پالیسیاں نہیں اپناتے ہمیں انتہائی کمزور اور سترفتار شرح نمو کے حال سالوں پر بحیط ایک دور کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک ٹھوس اور پاسیدار شرح نمو جو مستقبل میں روزگار کے موقع پیدا کرنے اور معیارِ زندگی میں اضافے کے لیے ضروری ہے اس سے بہت کم کا حامل دور۔“ (فائل نامن، 3 اپریل 2014ء)

کمل دیانتداری سے دیکھا جائے تو سرمایہ دارانہ ممالک کا ”درست پالیسیوں“ پر باہم ”متحد“ ہونے کا کوئی امکان موجود نہیں۔ یورپ میں پالیسیوں کے نفاذ کے حوالے سے پائی جانے والی تفصیل کی کیفیت کو دیکھتے ہوئے یہ خیال احمقوں کی جنت میں رہنے کے متراوف

ہے۔ یورپ پر ایک نیا بھوت منڈلار ہاے۔ تفریط زر اور گرتی ہوئی قیتوں کا بھوت، جو 1930ء کی عظیم کساد بازاری کی بھی ایک خصوصیت تھی۔ سنجیدہ بورزا ماہرین یو رو زون میں مارچ میں پورے ہونے والے سال میں افراطی از رکی شرح میں 0.5 فیصد گراوٹ سے سخت پریشان ہیں۔ اسی عرصے میں اپنیں میں اشیائے صرف کی قیمتیں 0.2 فیصد کم ہوئیں۔ 2009ء کے بعد یہ سب سے تیز ترین گراوٹ تھی۔ عمومی رجحان کی سست واضح طور پر پیچھے کی جانب ہے جس سے لگتا ہے کہ مانگ میں بے پناہ کمی آئے گی جو زوال کی جانب نئے جھکلوں کو جنم دے گی۔ کریمین ایگارڈ نے تفریط زر کو ایک راکھس قرار دیا ہے جو انکے مسائل کو زیادہ سمجھنے کرے گا۔ چونکہ اس کے باعث لوگوں کی خریداری اور سرمایہ کاری نہ کرنے کے رجحان کو تقویت ملے گی اور قرضوں کے بوجھ میں اضافہ ہو گا۔ قیتوں کے گرنے سے قرضوں کی برائے نام قدر تو وہی رہتی ہے جبکہ آمدن کم ہو جاتی ہے۔ قرض دار اپنی آمدن کا زیادہ بڑا حصہ قرض کی ادائیگی کے لیے خرچ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس سے کمپت کم ہوتی ہے جو پھر قیتوں میں مزید گراوٹ کا باعث بنتی ہے۔ سرمایہ کاری بھی ملتی ہو جاتی ہے چونکہ کسیاں نقد سرمایہ محفوظ کرنے کی لگت کم ہونے کے باعث اس کو ذخیرہ کر لیتی ہیں۔ اگر وہ مقرض ہیں تو تفریط زر کسیوں اور کاروباروں پر دباؤ بڑھانے کا باعث بنتا ہے کہ وہ قرض کے بوجھ کو مکمل کرنے کے لیے تیزی سے اپنے اٹاٹے فروخت کریں اور یوں ان کو زوال کی جانب دھکیل دیتا ہے۔ جیسے لندن سکول آف اکنائمس میں معیشت کا پروفسر لوئیس گیری کا نو کہتا ہے ”هم ایک ایسی سرزی میں پر ہیں جہاں پالیسی سازوں کا کوئی تجزیہ اور منصوبہ کا آمد نظر نہیں آ رہا اور یہی سب سے زیادہ پریشانی کا سبب ہے۔ (فناشل ٹائمز، 13 اپریل 2014ء)

مارگن شینے میں پین یورپین ایکیوٹی (Equity) کا سربراہ گراہم سیکر 3 مارچ 2014ء کے فناشل ٹائمز میں کہتا ہے ”ہم میں سے کسی نے بھی یورپ میں تفریط زر نہیں دیکھا۔ جاپان میں بھی تفریط زر کے آنے سے پہلے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جاپان میں تفریط زر ہو گا۔“ ماہر معیشت و لف گینگ و صاحت کرتا ہے ”جرمنی کا تفریط زر یو رو زون کے لیے ایک ڈراؤن خواب ہے۔ اگر ارد گرد کے ممالک مسابقت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کے ملکوں میں افراطی از رجمتی کے مقابلہ میں کم ہو۔ لیکن اگر جرمتی میں بھی تفریط زر بڑھ رہا ہے تو پھر یا

تو مسائلیتی ایڈجٹسمنٹ نہیں ہو پائے گی یا پورایو روزون تفریط زر سے دوچار ہو گا اور زیادہ امکانات ہیں کہ یہ دونوں کام ہوں گے۔ (فناشل ٹائمز، 24 فروری 2014ء)

سب کی پریشانی کا سبب یہ ہے کہ شرح سود صفر کے قریب ہے اور اسکے منفی میں جانے کے خطرات لائق ہیں۔ اس پالیسی پر عملدرآمد کی کوشش بیکار ہے جو بینکوں میں پیسے رکھنے والوں کو مجبور کرے گی کہ اکاؤنٹ میں معاوضہ دے کر پیسے رکھنے کی بجائے وہ اپنی پونچی کسی دوسرا محفوظ جگہ پر منتقل کر دیں۔ الیہ یہ ہے کہ خسارے کی سرمایہ کاری، جس سے مانگ میں اضافے کے ذریعے قیتوں میں اضافہ ہو سکتا ہے، کے نفع پر مقرض ریاستیں عمل درآمد نہیں کر سکتیں کیونکہ ان ریاستوں کو پہلے ہی تفریط زر کے خطرات لائق ہیں اور یہ بے پناہ قرضے تلے دبی ہوئی ہیں۔ جاپان وہ واحد استثناء ہے جو اس اصول کو توڑتے ہوئے دکھائی دے رہا ہے۔ اربوں روپے ایک مقرض معیشت میں جھوکے جا رہے ہیں جس کے کوئی خاطرخواہ متانگ برآمد نہیں ہو رہے سوائے اس کے کہ شرح سود بڑھ رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی ریاست کے دیوالیہ ہونے کا خطرہ بھی۔

### پیداواری قوتوں کا بحران

یہ بحران کن نہیں کہ بورڈوازی کے نمائندے بحران کی حقیقی وجوہات کو بیان کرنے کے علاوہ ہر قسم کی وضاحت کر رہے ہیں۔ یہ درست ہے کہ بحران میں مختلف عناصر کا اپنا ایک مخصوص کردار ہوتا ہے۔ سطح پر بحران ایک مالیاتی زوال کی صورت میں ظاہر ہوا۔ لیکن سماۓ کی کمی کا مسئلہ بحران کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ اہم اور کلیدی عوامل بھی کافرما تھے۔ سرمایہ داری کے قوانین ماضی کی طرح ٹھیک کام نہیں کر رہے۔ ارتکازم ہوتا جا رہا ہے۔ عالمگیریت (عالمی منڈی کا پھیلاو) کا عمل رک چکا ہے اور اس کی واپسی کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ عروج کے عرصے کو آگے بڑھانیوالے تمام عوامل اپنے الٹ میں بدل چکے ہیں۔

مارکسزم کے مطابق پیداواری قوتوں کی ترقی سماج اور تاریخ کی ترقی کی کلیدی ہے۔ جب تک سرمایہ دارانہ نظام ذرائع پیداوار کو ترقی دینے کا اہل ہے یہ نظام کو نبتاب استحکام فراہم کر سکتا ہے۔ ماضی میں ایسا ہی تھا لیکن اب صورتحال ویسی نہیں رہی۔ آج ہمیں ایک الٹ صورتحال کا سامنا ہے جہاں بحران کا مطلب ہے عالمی سطح پر سماجی عدم استحکام۔ فلپ استیفنز لکھتا ہے ”دنیا عدم تحفظ کے

عہد میں داخل ہو چکی۔” (فائل نامہ، 21 فروری 2014ء)

لہمن برادرز کے انہدام کے چھ سال بعد بھی دنیا ایک بندگی میں پھنسی ہوئی ہے۔ یہ انتہائی پژمردگی سے دوچار ہے جس سے نجات ممکن نہیں۔ اس کے سمجھیدہ اثرات ہوں گے۔ جیسا کہ مارکس نے بہت عرصہ پہلے یہ وضاحت کی تھی کہ کوئی سماجی نظام اس وقت تک تاریخ کے منظر سے غائب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ پیداواری قتوں کو ترقی دینے میں مکمل طور پر نااہل نہ ہو جائے اور جب ایسا ہوتا ہے تو دنیا سماجی تبدیلی اور انقلابات کے عہد میں داخل ہو جاتی ہے۔ مُحیک اسی قسم کی صورتحال اس وقت دنیا میں موجود ہے۔ پیداواری قتوں کا ایک بحران ہے جس میں پیداواری قوتیں قومی ریاست اور سماجی ملکیت کی تنگ حدود کے خلاف بغاوت کر رہی ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام اپنا تاریخی فریضہ پورا کر کے اب معاشری سماجی بروشورتی بالعمونسل انسانی کی ترقی کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ بن چکا ہے۔

ذرائع پیداوار کی سماجی ترقی کے عمل کو آگے بڑھانے کی بجائے اس کے پاؤں کی پیڑی بن چکی ہے۔ ذرائع پیداوار اور ان کی انفرادی ملکیت، پیداوار کی سماجی ضرورت کیسا تھے مقصدام ہو رہے ہیں۔ موجودہ پیداواری رشتہ تاریخی طور پر متذوک ہو چکے ہیں اور عمومی طور پر یہ ایک رکاوٹ بن چکے ہیں۔

مارکس نے وضاحت کی تھی کہ ”ذرائع پیداوار کی ترقی کے وسیلے کی بجائے یہ تعلقات ان کے پاؤں کی پیڑی بن جاتے ہیں۔“ ذرائع پیداوار سرمایہ دارانہ تعلقات پیداوار کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ تاریخی مادیت وضاحت کرتی ہے ”کوئی سماجی نظام اس وقت تک تباہ نہیں ہوتا ہے جب تک اس کے اندر ذرائع پیداوار کو ترقی دینے کی تمام توصلیات ختم نہ ہو جائے؛ اور کوئی نئے بلند معیار کے پیداواری تعلقات اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتے جب تک ان کی تکمیل کے لئے ضروری مادی حالات پرانے سماجی نظام کی کوکھ میں پک کر تیار نہ ہو چکے ہوں۔“

یہ تمام حالات پختہ ہو کر گل مژر ہے ہیں اور عالمی انقلاب کے فوری مقاضی ہیں۔ سرمایہ داری کے بندگی میں پھنس جانے کا اظہار اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ یہ خود اپنی پیدا کردہ پیداواری صلاحیت سے مکمل طور استفادہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ماضی کے معاشری عروج کے ادوار میں پیداواری

صلاحیت کا 80 فیصد استعمال کیا جاتا تھا۔ بحران کے ادوار میں اس صلاحیت کا 65 فیصد استعمال میں لا یا جاتا ہے۔ آج پیداداری صلاحیت کا استعمال کم تر سطح کے قریب ہے۔ امریکہ کے بارے میں شائع ہونے والے اعداد و شمار سے یہ واضح ہے جہاں صلاحیت سے استفادہ 2009ء میں کم ہو کر 66.9 فیصد ہو گیا تھا اور 2013ء میں اضافے کے ساتھ 79 فیصد تھا۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے کمل جمود کی ایک اور علامت ہے۔

مارکس نے خود تمام تضادات کی یوں وضاحت کی تھی، ”سرمایہ دارانہ پیدادار مستقل طور پر ان طبعی رکاوٹوں (جو اس کی مزید ترقی کے راستے میں حائل ہوتی ہیں) کو دور کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ لیکن ان کو دور کرنے میں کامیابی کی قیمت نہیں اور پہلے سے زیادہ طاقتور رکاوٹوں کا سامنا کرنے کی صورت میں چکانی پڑتی ہے۔ سرمایہ دارانہ پیدادار کے راستے کی سب سے حقیقی رکاوٹ خود سرمایہ ہے۔“ (مارکس، سرمایہ، جلد 3 صفحہ 358)

سرمایہ دارانہ نظام ایک حقیقی زوال کی کیفیت میں ہے۔ اس نظام کو ایک نئے بحران میں گرنے کے لئے صرف ایک بڑے جھکٹے کی ضرورت ہے۔ یہ جھکٹا کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بورڈ و ایئرین یوکرائن میں ہونے والے واقعات سے گھبرائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ تنازعہ بڑھتا ہے اور روس اپنے اوپر لگنے والی پابندیوں کے خلاف مراجحت کرتے ہوئے یوکرائن اور یورپ کو توانائی لیتی تیل و گیس کی سپلائی بند کرتا ہے تو اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔ 1973ء میں مشرق وسطیٰ کی جنگ نے تیل کی قیتوں میں چار گنا اضافہ کر دیا تھا جو 1974ء کے زوال کا محرك بنی تھی۔ آج توانائی کی قیتوں میں بڑا اضافہ اور اس کے باعث جنم لینے والا انتشار اسی قسم کے اثرات مرتب کر سکتا ہے۔

پہلے ہی ہر طرف قوطیت اور مایوسی میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ گذن ریک میں 10 دسمبر 2013ء کے نافذ نامہ میں لکھتا ہے ”یورپی معاشر پر مردگی پر بنی ایک اور دہائی یا بھگوان نہ کرے، ایک اور مالیاتی بحران کی وجہ سے زیادہ ریٹنیکل سیاستدان اور انقلابی اقدامات نظر آئیں گے۔“

یہ حل نہ ہو سکنے والا تاریخی بحران عالمی سطح پر انقلابی واقعات اور شعور میں ہونے والی بڑی

تبديلیوں کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ یہ مطلق طور پر واضح ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت نجات کا کوئی راستہ نہیں جس نے نسل انسانی کو انقلابات اور روانہ انقلابات کے عہد میں ڈھیل دیا ہے۔ آگے بڑھنے کے لئے ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو اس کے تباہ کن بحرانات اور اس کی تمام غلطیوں سمیت انقلاب کے ذریعے اکھاڑ پھینکا جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کردہ تمام قضاوات کے خاتمے کے بعد ہی ہم اس کرہ ارض کے تمام وسائل کو بھوک، غربت اور پسمندگی کی غلاظت سمیت تمام مسائل کے خاتمے کے لئے استعمال کرتے ہوئے ہی زندگی کو ترقی کے اس معیار تک پہنچاسکتے ہیں جو نسل انسان کے شایانی شان ہو۔ نسل انسانی کے لئے اس کے معنی انگلز کے الفاظ میں ”ضرورت کے عہد سے آزادی کے عہد میں چلانگ“ کے مترادف ہوں گے۔